یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

گناہانِ کبیرہ

مؤلفہ

آیت اللہ سیّد ہاشم رسولی محلاتی مدظلہ العالی

مترجمہ

سیّد محمّد علی الحسینی بلتستانی

(مدیر: جامعۃ الزہرا، کراچی)

ناشر

حسن علی بک ڈپو

بالمقابل بڑا امام بارہ۔ کھارادر۔ کراچی

فون ۲۴۳۳۰۵۵

نام کتاب	کیفر گناہان کبیرہ
مولف	آیت اللہ سید ہاشم رسولی محلاتی
مترجم	سید محمد علی الحسینی بلتستانی
کمپوزنگ	کمپیکٹ سروسز
طبع اول	مارچ ۱۹۹۶ء
مطبع	پرائما پرنٹرز-کراچی

فہرست

عنوان	صفحہ
امور طبیعی اور امن اجتماعی کا فرق	۱۶
قوانین اجتماعی اور قوانین مذہبی کا پہلا فرق	۲۳
گناہ کا ارادہ بھی اثر رکھتا ہے	۲۸
مثال کے طور پر چند واقعات پر توجہ فرمائیں	۳۲
تیسرا فرق	۴۴
درج ذیل حکایتوں پر توجہ فرمائیں	۵۰
رہزن کا قصہ	۵۳
بیماری یا گناہ	۶۲
گناہ کی بیماری کا علاج	۶۷
مزید وضاحت	۷۱
بو علی سینا	۷۶
غلط فہمی سے بچیئے	۸۸
گناہگار کے ساتھ ہم نشینی نہ کرو	۸۹
گناہگار سے سلوک کیسا ہو؟	۹۰
اس قصے پر توجہ فرمائیں	۹۲
جنگ سے فرار اختیار کرنے والوں سے پیغمبرؐ کا سلوک	۹۵
گناہگار نوجوان سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک	۹۷
ایک سوال اور اس کا جواب	۱۰۴
ایک متحمل مزاج انسان	۱۱۸
مختصر غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنا	۱۱۹
عورتوں کے لئے درس آموز قصہ	۱۲۴

اس باب کے موضوعات کا خلاصہ ---------- ۱۲۶
گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے ---------- ۱۲۸
دعا مومن کا اسلحہ ہے ---------- ۱۳۱
دعا ہر حالت میں ضروری ہے ---------- ۱۳۷
حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں ---------- ۱۴۱
حضرت یعقوبؑ — حضرت یوسفؑ اور بنیامین کے فراق میں ---------- ۱۴۳
ایک مسلمان عورت کا قصہ ---------- ۱۴۹
گناہ عبد و معبود کا رشتہ ختم کردیتا ہے ---------- ۱۵۲
ایک شخص کا امیر المؤمنین علیہ السلام سے سوال ---------- ۱۵۹
امام جعفر صادق علیہ السلام ---------- ۱۶۲
گناہگار بارگاہ خداوندی میں کس طرح پیش ہو؟ ---------- ۱۶۲
اس حدیث پر توجہ فرمائیں ---------- ۱۶۵
دعا کی قبولیت کی دیگر شرائط ---------- ۱۶۷
دعا محنت اور کوشش کا نعم البدل نہیں ---------- ۱۷۱
خلوص اور طہارت قلب دعا کے لئے ضروری ہیں ---------- ۱۷۵
دعا سے متعلق چند نکات کی وضاحت ---------- ۱۷۷
اس حدیث پر توجہ فرمائیں ---------- ۱۷۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک قصہ ---------- ۱۸۰
کیفر اعمال ---------- ۱۸۹
اب درج ذیل آیات پر توجہ فرمائیں ---------- ۱۹۱
قوموں کی خوشی اور خوشحالی ---------- ۱۹۴
دو قابل غور واقعات ---------- ۱۹۸
زنبیل والے عابد کا قصہ ---------- ۲۰۳
بہترین مثال ---------- ۲۰۶
گزشتہ اقوام ---------- ۲۱۴

مقدمہ

بنام خدا

جب صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے شہادت کے ایام نزدیک آئے تو حسب سالہائے گزشتہ اس حقیر ناچیز کو دعوت دی گئی کہ شمیران میں واقع جامع مسجد امام زادہ قاسم میں چند رات خطاب کروں۔ ابتدا ہی سے ضرورت امر کے تحت گناہ، آثار اور ان خطرات کی بحث کو چھیڑ دیا گیا جو ہمارے معاشرے پر منڈلا رہے ہیں۔ ان ایام کے اختتام کے بعد اس موضوع پر گفتگو ہر شنبہ کی رات کو ۱۳۹۱ ہجری کے ماہ مبارک رمضان تک جاری رہی۔ اسی دوران سامعین میں سے ایک نوجوان نے تجویز پیش کی کہ ان مباحث کو قلمبند کرلیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اسے کتاب کی صورت میں طبع کرواکر عوام کے استفادہ کے لیے پیش کردیا جائے۔

تجویز مناسب تھی۔ میں ان مباحث کے نکات کو کاغذ پر لکھتا رہا۔ جسے آخرکار موجودہ شکل میں ترتیب دے کر آپ کے مطالعے کے لیے پیش کردیا گیا ہے۔

اس طرز تالیف سے آشنا حضرات اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس اسلوب نگارش میں کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں مثلاً موضوعات کی تکرار کی گئی ہو یا موضوعات کے ذکر میں ترتیب کا خیال نہ رکھا گیا ہو یا کبھی ایک موضوع پر گفتگو کے دوران دوسرا موضوع درمیان میں آگیا

ہو- لیکن چونکہ ہمارا اصلی مقصد ایک مذہبی فریضے کی ادائیگی تھا اور ہم چاہتے تھے کہ معاشرہ اور بالخصوص نوجوان نسل کو اخلاقی گمراہی سے روکا جائے اس لیے یہ جزئی خامیاں قابل معافی ہیں- مجھے امید ہے کہ شاید میں اپنے اسی بنیادی مقصد کی برآوری میں حتی المقدور کامیاب رہا ہوں-

یقیناً قارئین محترم اس مقصد کے حصول میں آپ بھی ہم سے متفق ہوں گے- مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس خانماں سوز فساد کی روک تھام اور بیخ کنی کے لیے جس نے اکثر گھرانوں اور نوجوانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ہر ممکن طریقے سے کوشش کریں گے- شاید آپ نے یہ محسوس کیا ہو کہ ان حالات میں ذمہ داری صرف ایک یا دو طبقہ تک محدود نہیں بلکہ ہر شخص اپنے مقام پر ذمہ دار ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو حتی المقدور برائیوں کی روک تھام کرے اور گناہ و بدی پر مائل افراد کو جو معاشرے میں کثیر تعداد میں موجود ہیں، ہلاکت و بربادی سے نجات دے-

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں-

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ-(نہج الفصاحہ- ص ۴۵۷)

آپ میں سے ہر شخص عوام الناس کا سرپرست ہے اور آپ سب ان کی اصلاح کے ذمہ دار ہیں- جو باپ اپنی اولاد یا دوسروں کے انحراف پر آرزدہ ہو وہ نہ تو ان (کے اصلاح کی فکر) سے غافل رہ سکتا ہے اور نہ

ہی جو ذمہ داریاں اس پر عاید ہیں وہ ان سے پہلو تہی کر سکتا ہے-

جو شوہر یا بیوی نشہ کی عادت، شراب خوری یا اسی طرح کی دوسری برائیوں میں گرفتار ہو یا اپنے شریک حیات کی حیاسوز حرکتوں سے آگاہ ہو وہ ان حرکتوں کو دیکھتے ہوئے خاموش تماشائی نہیں بن سکتا- ایسی صورت میں ہدایت اور برائی سے روکنے کی جو ذمہ داری اس پر عاید ہے اسے دوسروں پر ڈال کر خود بری الذمہ نہیں ہو سکتا-

جو استاد اپنے شاگرد کو گمراہی قید و بند سے آزاد، شہوت رانی، اخلاقی اور دوسری معاشرتی برائیوں میں گرفتار دیکھتا ہے وہ منطق کے زور پر "مجھے اس سے کیا سروکار" یا "تمہیں اس سے کیا غرض" کے الفاظ کہہ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا اور اس سلسلے میں مذہب اور معاشرہ کی طرف سے اس پر جو ذمہ داریاں عاید ہیں وہ ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتا- یا پھر خاندان کا وہ سربراہ جو اپنے خاندان کے افراد کو گناہ و شہوت کے راستے پر چلتا ہوا دیکھتا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ حتی المقدور انہیں ہلاکت و بربادی کی طرف جانے سے روکے-

بنیادی طور پر ہر وہ مسلمان جو اپنے ہم مذہب کو بے حیائی کے امور اور برائیوں میں آلودہ دیکھے اس پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ حالات اور موقع کے تقاضوں کے مطابق جہاں تک بھی ممکن ہو مفید راہنمائی کرتے ہوئے دینی احکام سے آگاہ کرے تاکہ اس طرح اسے پر خطر مستقبل اور

فحشاء کے گرداب سے بچایا جاسکے۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جو ہم سب پر عاید اور ہم سب اس کے لیے جوابدہ ہیں۔

ہم نے اسی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور نتیجہ ان صفحات کی صورت میں آپ کے سامنے گزارش ہے۔ کوشش یہ ہے کہ اپنے محدود حلقہ اور محدود تبلیغی وسائل کے ساتھ اس طبقہ کو جن تک یہ کتاب پہنچ رہی ہے' گناہ کے تباہی اور خطرناک نتائج سے آگاہ کرکے برائی کے راستے پر چلنے سے روکا جائے۔ ہمارا یہ اقدام توفیقات الٰہی کی طلب کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں پر عمل کرنے کی کوشش ہے تاکہ اس طرح ایک مفید خدمت انجام دی جاسکے۔

ہم نے زیر نظر کتاب میں قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور دینی روایات کے علاوہ زندہ علمی شواہد اور گزشتگان کے قصوں کے سہارے انسانیت کو ان خطرات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے جو گناہ اور بے راہ روی کی وجہ سے ہمارے معاشرے کو درپیش ہیں۔ ذیل میں ان چند برائیوں اور مشکلات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ارتکاب گناہ کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔

○ گناہ وہ خطرناک بیماری ہے کہ اگر جس کا علاج نہ کیا جائے تو وہ جسمانی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔

○ گناہ ہماری بہترین روحی تجلیات یعنی پروردگار عالم کی طرف توجہ اور

اس سے تمسک میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

○ گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے۔

○ گناہ اقوام کو نیست و نابود کردیتا ہے۔

○ گناہ اجتماعی پردوں کو چاک کردیتا ہے۔

○ گناہ خوش بختی کی بنیاد یعنی انسان کے ذہنی سکون کو سلب کرلیتا ہے۔

○ گناہ انسان کی عمر کو کم کرتا ہے۔

○ گناہ انسان کو کفر اور دین کے مقدسات کے انکار پر اکساتا ہے۔

○ گناہ انسان کی زندگی کو سخت دشوار بناتا ہے۔

○ مختصر یہ کہ گناہ انسان کی جملہ بدبختیوں اور مصیبتوں کا سبب ہے۔

اور اسی طرح گناہ کے نتائج اور اس کے ردعمل سے متعلق دوسرے موضوعات پر موقع و محل کی مناسبت سے گفتگو کی گئی ہے۔

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان موضوعات کا حق ادا کردیا گیا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم نے اس باب میں مفید اور موثر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مباحث عام قارئین اور ان افراد کے لیے جو ہماری فکری سطح کے برابر یا اس سے کمتر ہیں' مفید ثابت ہوں گی۔

اگر آپ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم سے متفق ہوں تو ہماری مدد اس طرح کرسکتے ہیں کہ کتاب کے مطالب کو دوسروں تک پہنچا دیں یا کتاب کا ایک نسخہ اپنے دوستوں کو ہدیہ کردیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ

کے تعاون کے ساتھ موجودہ حالات میں اس قرض کو کسی حد تک ادا کرسکیں گے جو قرآن مجید اور اسلام کے بزرگ رہنماؤں کی طرف سے ہم پر واجب ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے گمراہ افراد کو حتی المقدور کجروی اور بدبختی سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔

کتاب کے بارے میں چند وضاحتیں

۱۔ اردو جاننے والے ان افراد کی سہولت کے لیے جو عربی سے ناآشنا ہیں ہم نے تمام آیات اور روایات کا ترجمہ پیش کردیا ہے۔

۲۔ مباحث میں تنوع پیدا کرنے کے ساتھ' یہ امر ہمارے پیش نظر تھا کہ اگر مواعظ کو تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کیا جائے تو قاری کے ذہن میں اچھا تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خداوند عالم کے اس فرمان پر بھی ہماری نظر تھی جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا فاقصص القصص لعلهم يتفكرون ۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۷۶) "اے رسول ان کے لیے حکایتیں بیان کیجئے تاکہ یہ غور و فکر کریں"۔ اس امر کے بموجب ہم نے ہر باب میں اس کی اپنی مناسبت سے قرآن مجید اور دوسری کتابوں سے حکایتیں بھی نقل کی ہیں۔ کبھی کبھی موضوع کو قاری کے لیے دلچسپ بنانے کے لیے فارسی اشعار کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی نشست میں مختلف ابواب کا مطالعہ خستگی کا احساس پیدا نہیں کرتا۔

۳۔ اس مجموعہ کی تدوین کی خاطر متعدد کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چونکہ متن میں ان کے نام لکھ دیئے گئے ہیں اس لیے ان کو گنوانے کی ضرورت نہیں۔ بحار الانوار اور اصول کافی جیسی کتابوں کو متعدد ناشرین نے طبع کروایا ہے۔ اس لیے ان کتابوں کا ذکر ان کے ناشر کے حوالے سے ناگزیر تھا۔ اس سلسلے میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ان کی تفصیل اور ناشر کا نام درج ذیل ہے۔

۱۔ اصول کافی مترجم۔ طبع علمیہ اسلامیہ
۲۔ فروع کافی۔ طبع آخوندی
۳۔ بحار الانوار طبع جدید۔ آخوندی و اسلامیہ
۴۔ تہذیب شیخ۔ طبع نجف۔ ۱۰ جلدوں میں
۵۔ مجمع البیان۔ طباعت آفسٹ۔ ۵ جلدوں میں
۶۔ مناقب۔ طبع سربی قم۔ ۴ جلدوں میں
۷۔ جامع السادات نراقی۔ طبع نجف۔ ۳ جلدوں میں
۸۔ دارالسلام نوری۔ طبع قم۔ ۴ جلدوں میں
۹۔ محجۃ البیضاء۔ کتاب فروشی صدوق۔ ۸ جلدوں میں
۱۰۔ وسایل الشیعہ۔ سنگی تہران۔ ۳ جلدوں میں
۱۱۔ علل الشرایع۔ سربی قم۔ ۲ جلدوں میں
۱۲۔ نہج البلاغہ۔ سنگی۔ مترجمہ فیض

۱۳- خصال صدوق - کتاب فروشی صدوق - ۲ جلدوں میں

۱۴- معانی الاخبار - عربی

۱۵- شرح ابن ابی الحدید - طبع مصر - ۴ جلدوں میں

۱۶- امالی صدوق - مترجم - اسلامیہ

۱۷- ارشاد القلوب دیلمی - سنگی - قم

ہمیں امید ہے کہ اس ناچیز تالیف کو ائمہ اطہار علیہم السلام مخصوصاً حضرت بقیتہ اللہ روحی و ارواح العالمین لہ الفداء کی بارگاہ میں شرف پذیرائی حاصل ہوگی اور روز جزا اس بندۂ روسیاہ کے لیے سرمایہ آخرت ثابت ہوگی۔

والحمد للہ اولاً و آخراً

سید ہاشم رسولی محلاتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغت میں گناہ کی تعریف

فارسی لغت میں گناہ کے معنی جرم، خطاء، نافرمانی اور ان جیسے دوسرے الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ جبکہ لغت عرب میں اس لفظ کو ذنب، اثم اور معصیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس لفظ کے وہ معنی جو دونوں زبانوں پر صادق اور جامع ہو وہ نافرمانی، قانون کے برخلاف کوئی عمل انجام دینا یا قانون سے روگردانی ہے۔ یا بعض علماء کے قول کے مطابق ہر ناجائز کام کرنا گناہ ہے یا بعض لوگوں کی تعریف کے مطابق شارع کی نظر میں گناہ وہ ہے جو کہ مکلف کسی نامشروع کام میں مرتکب ہوجائے (لغت نامہ دہ خدا مادہ "ذنب")۔

موجودہ دانشوروں نے جرم اور گناہ کو ہر اس عمل سے تعبیر کیا ہے جو قانون کی مخالفت پر ہو۔ وہ جرم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جرم معاشرے کے افراد کا وہ عمل ہے جسے قوانین کی ان مقررہ حدود کے باہر انجام دیا جائے جو افراد کی فطری حقوق اور ان کی خوشحالی کی ضمانت دیتے ہوں اور جس کا ارتکاب معاشرے کا نظم و ضبط درہم برہم کردے۔ یہ تقریباً وہی تعریف ہے جسے جان مارکیزہ نے اپنی کتاب "جرم" میں بیان کیا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے۔

جو شخص قانون کی سرحدوں کو عبور کرے اور مذکورہ بنیادی حقیقت

سے روگردانی کرے جو معاشرے کے نظم و ضبط کو درہم برہم کرتا ہے اور قضاۃ (قاضیوں یا ججوں) کی نگاہ میں ایسے شخص کا عمل جرم کہلاتا ہے۔

(بلاھای اجتماعی۔ ص ۱۰)

فرانسیسی دانشور "کارل" لکھتا ہے۔

گناہ اشیاء کے نظم و ضبط سے روگردانی کا نام ہے..... اس نکتہ کو سمجھنا دشوار نہیں کہ گناہ ان معاشرتی قوانین کی پامالی کا نام ہے جو ارادتاً" یا بلاارادہ انجام دیا جائے۔ (راہ و رسم زندگی۔ ص ۷۱ تا ۸۰)

قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن سے اس سلسلے میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ذیل کی یہ آیہ مبارکہ ان آیتوں میں سے ایک ہے جسے خداوند عالم نے احکام و فرامین کے ایک سلسلے کے بعد نازل فرمایا ہے۔

تلک حدود اللہ و من یطع اللہ و رسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا و ذالک الفوز العظیم۔ و من یعص اللہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ نارا" خالدا" فیھا و لہ عذاب مھین (سورہ نساء۔ آیت ۱۳-۱۴)

(یہ خدا کی حدیں ہیں۔ اور جو خدا و رسول کی اطاعت کرے اس کو خدا آخرت میں ایسے باغوں میں پہنچا دے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ اور

جس شخص نے خدا و رسول کی نافرمانی کی اور اس کی حدوں سے گزر گیا تو بس خدا اسے جہنم میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لیے بڑی رسوائی کا عذاب ہے۔)

اس لحاظ سے گناہ کے معنی ہیں نافرمانی اور قانون سے روگردانی۔ اب چاہے وہ قانون فطری ہو یا اجتماعی، الٰہی ہو یا دینی، اس کی مخالفت سزا کا موجب ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی اور فطری قوانین کی مخالفت کا گناہ اور مذہبی قوانین سے روگردانی کا گناہ دونوں کے درمیان بعض حیثیتوں سے فرق موجود ہے۔

امور طبیعی اور امن اجتماعی کا فرق

گناہ ان فطری اور معاشرتی قوانین کی خلاف ورزی کا نام ہے جس کا ارتکاب قوانین فطرت کے حدود اور سلامتی و معاشرتی سرحدوں کے اندر کیا جاتا ہے۔ مزید آسان الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ امور فطرت میں وہ چیزیں فطری گناہ تصور کی جاتی ہیں جو قوانین فطرت سے متصادم ہوں۔ جبکہ معاشرتی امور میں ان چیزوں کو گناہ خیال کیا جاتا ہے جو معاشرے کے امن و سلامتی میں بگاڑ پیدا کریں۔

پہلی مثال : شراب کا پینا یا خود کو پشت بام سے گرا دینا۔ یہ دونوں اعمال قوانین فطرت کے مخالف ہیں۔ ان میں اول الذکر صحت کے اصولوں سے جن میں دماغ، گردے، جگر اور بدن کے دوسرے اعضاء کی حفاظت کے اصول بھی شامل ہیں، متصادم ہے۔ جبکہ آخر الذکر زمین کی قوت جاذبہ کے منافی ہے۔ یہ دونوں عمل گناہ شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی ضد پر عمل کرنے والا قانون کی مخالفت کی پاداش میں اپنی صحت، سلامتی اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

دوسری مثال : چوری، چاقو زنی، قتل اور ان جیسے دوسرے امور جن سے امن عامہ میں خلل واقع ہوتا ہے، قانون کی نگاہ میں جرم یا گناہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی مخالفت پر عمل کرنے والے کو قید، جرمانہ یا پھر سزائے موت دی جاتی ہے۔

یہ تھی فطری اور معاشرتی قوانین کی نگاہ میں گناہ کی تعبیر۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ گناہ کا اطلاق اس مخالفانہ عمل پر ہوتا ہے جو مادی امور کی حدود میں انجام دی جائیں۔ لیکن دین اور مذہب ان تمام امور کو گناہ سمجھتا ہے جو فطری (حفظان صحت کے اصول وغیرہ) اور معاشرتی (امن عامہ) قوانین کے خلاف ہوں یا کہ فضیلت اخلاقی، شرف انسانی، عام لوگوں کی پاکدامنی اور معاشرتی اصولوں کے بھی منافی ہو تو گناہ شمار کرتے ہیں اور گناہوں میں ملوث افراد کو سزا دی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دین اور مذہب انسانوں کے حالات کو کھلی اور عمیق نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور وہ جس طرح جسم اور معاشرہ کی سلامتی کے لیے فکرمند ہے اسی طرح روح کی سلامتی اور فکری سکون کے لیے بھی اہمیت کا قایل ہے۔

موجودہ دنیاوی قوانین میں یہاں تک کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی خودکشی کے لیے کوئی قانون موجود نہیں۔ یا پھر وہ شخص جو تنہائی میں شراب پیتا ہو یا وہ عورت و مرد جو اپنی مرضی سے زنا جیسے قبیح عمل کا ارتکاب کرتے ہیں مجرم یا گناہگار نہیں گنے جاتے۔ قانون بنانے والے اس سلسلے میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ان کے باہمی رضامندی کے اس عمل سے معاشرتی امن و سکون کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن دین اسلام کے نزدیک یہ تمام اعمال گناہ ہیں۔ کیونکہ یہ اعمال شرف انسانی اور فضیلت اخلاقی کو داغدار بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ عمل بالواسطہ طور پر معاشرتی

اور عمومی امن و سکون کی بنیادوں کو بھی متزلزل کرتا ہے۔ دور حاضر میں دروغ گوئی، غیبت، تہمت، افترا پردازی، غصہ، حسد، ریاکاری، حرص، تکبر، کینہ اور ان جیسے دوسرے گناہوں کی روک تھام کے لیے جن میں سے ہر ایک کسی قوم کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی ہے، کوئی قانون وضع نہیں ہوا۔ دنیا کے قانون بنانے والوں کی نگاہ میں یہ خصوصیات جرم یا گناہ نہیں چونکہ عصر حاضر کے قانون بنانے والے، دنیا اور اس میں بسنے والوں کو صرف مادیت کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اسلام مادیت کے ساتھ معنویت کو بھی پیش نگاہ رکھتا ہے بلکہ معنویت کو اور روحانی تربیت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان میں سے کچھ گناہوں کو جن کا گزشتہ سطور میں نام لیا گیا، جملہ گناہوں کی اساس گردانتا ہے۔

مثلاً جھوٹ کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اللہ عز و جل جعل للشر اقفالا" و جعل مفاتیح تلک الاقفال الشراب و الکذب شر من الشراب۔

(جامع السعادات نراقی۔ج۲۔ص۳۲۳)

"خداوند عالم نے شراور برائیوں کے لیے کچھ تالے قرار دیئے ہیں (تاکہ عوام ان میں گرفتار ہونے سے بچیں) اور شراب کو ان تمام تالوں کے لیے چابی قرار دیا" ہے۔ لیکن جھوٹ کا خطرہ شراب سے زیادہ بڑی برائی ہے"۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔

حطت الخبائث فی بیت و جعل مفتاحہ الکذب۔(مستدرک۔ ج۲۔ص۱۰۰)

"تمام گناہ ایک گھر میں جمع ہیں (جبکہ) جھوٹ کو اس گھر کی کلید قرار دیا گیا ہے"۔

ایک اور حدیث کے مطابق ایک شخص جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

یا رسول اللہ دلنی علی عمل اتقرب بہ الی اللہ تعالی؟ فقال لا تکذب فکان ذلک سببا" لاجتنابہ کل معصیتہ للہ لانہ لم یقصد وجھا من وجوہ المعاصی الا وجد فیہ کذبا" او ما تدعوا الی الکذب فزال عنہ تلک المعصیتہ۔(مستدرک۔ج۲۔ص۱۰۰)

یا رسول اللہ مجھے اس عمل کی طرف رہنمائی فرمایئے جس کے ذریعے میں خدا سے نزدیک ہو جاؤں؟

آپ نے جواب میں فرمایا۔ "جھوٹ نہ بول" یہی عمل اس شخص کے کل گناہوں سے بچنے سے سبب بنا۔ کیونکہ وہ جب بھی کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو اس میں کسی جھوٹ کو موجود پاتا یا اس کا سرانجام جھوٹ ہوتا۔ اسی سبب

سے وہ گناہ سے بچا رہا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف عصر حاضر کے دانشوروں نے بھی کیا ہے۔

"جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو واضح طور پر مذموم' قابل مواخذہ و سرزنش ہے۔ کیونکہ جھوٹ ہی وہ (برائی) ہے جو ہر پستی اور برائی کو اپنی طرف جذب کرتی اور ہر برائی کے لیے دروازہ کھول دیتی ہے۔ یہ ہماری کمزوری ہے کہ اس عادت کی روک تھام کے لیے کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا۔ یہ ہماری کوتاہی ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔" (ما و فرزندان ما۔ ص۵۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام' حسد' حرص اور تکبر کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اصول الکفر ثلاثہ الحرص' و الاستکبار و الحسد' فاما الحرص فان ادم علیہ السلام حین نھی عن الشجرۃ حملہ الحرص علی ان اکل منھا و اما الاستکبار فابلیس حیث امر بالسجود لادم فابی و اما الحسد فابنا ادم حیث قتل احدھما صاحبہ۔ (اصول کافی مترجم۔ ج۳۔ ص۳۹۶)

"کفر کی بنیاد تین چیزوں پر ہے حرص' تکبر اور حسد۔ کیونکہ حرص ہی تھا جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو آمادہ کیا کہ وہ شجر ممنوعہ (کے پھل کو)

کھالیں۔ لیکن تکبر جب شیطان کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے تو تکبر نے اسے روکا۔ جبکہ حسد نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کو اکسایا کہ وہ دوسرے کو قتل کردے"۔

امام علیہ السلام غصہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

الغضب مفتاح کل شر۔ (اصول کافی مترجم۔ ج۳۔ ص۴۱۲)

"غصہ تمام برائی اور خرابی کے لیے چابی ہے"۔

دور حاضر کے دانشوروں نے بھی اس نکتہ پر اتفاق کیا ہے کہ جو شئے اقوام کی بدبختی کا سبب ہے اور گناہ سمجھی جائے وہ صرف وہی نہیں جس سے جسم انسان اور مادیات کو نقصان پہنچے۔ بلکہ ہر وہ شئے گناہ ہے جس سے جسم و جان' روح' اخلاق' شرف اور فضیلت انسان مجروح ہو۔ ان تمام چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔ مثال کے طور پر کتاب "راہ زندگی" سے یہ اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"امید' ایمان' شوق اور ارادہ کی پختگی جسم انسان پر ویسا ہی اثر رکھتی ہے جیسا ٹربائن پر بھاپ۔ عشق ہی بدن و روح کے اعمال کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ یہ خصوصیت شخصیت کے فضائل کو مزید بلند تر' مستحکم تر اور عمیق کرتی ہے۔ اس کے برعکس عیوب انسانی شخصیت کو چھوٹا بناتے ہیں۔ مثلاً کاہلی' رائے کی عدم استواری اور مغمومیت' فکر کو جلا پانے سے روکتی ہے۔ خودپسندی' غرور اور حسد' انسان کو لوگوں سے الگ تھلگ

کرکے، بالیدگی اور روح کی نمو پذیری کو متوقف کرتی ہے۔"

(راہ زندگی۔ ص ۷۲)

"جیسا کہ ہم جانتے ہیں گناہ انسان کی زندگی کو بے وقعت اور آلودہ کرتے ہیں۔ برائی کو دیکھ کر اغماض کرنا ایک خطرناک غلطی ہے۔ چونکہ معاشرے میں ہر شخص اپنی مرضی پر عمل کرنے میں آزاد نہیں۔ اس لیے جو شخص بے اعتدالی، کاہلی، افترا پردازی اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اسے عمومی نگاہوں میں خطاکار کی حیثیت سے گنا جانا چاہیے۔

ہر گناہ یقینی طور پر عضوی، روحی اور معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح ندامت میں انگلی چبا کر اپنے بچوں کی موروثی بیماریوں کا علاج نہیں کیا جاسکتا اسی طرح حسد، تکبر، تہمت، کینہ اور غیبت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی برائیوں کا بھی مداوا ممکن نہیں۔" (راہ زندگی۔ ص ۸۰)

قوانین اجتماعی اور قوانین مذہبی کا پہلا فرق

گناہ کی تعبیر میں اجتماعی قوانین اور مذہبی قوانین کے درمیان یہ فرق ہے کہ اجتماع یا معاشرہ میں سزا کا انحصار عمل پر ہے۔ یعنی گناہ کرنے والا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ لیکن اسلام میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے گناہ کا خیال بھی دل میں لانے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ گناہ کا خیال ہی بعد میں گناہ کے ارتکاب کا سبب بنتا ہے۔ جو شخص گناہ کے خیال کو دل میں پروان چڑھائے وہ بتدریج گناہ کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من کثر فکرہ فی المعاصی دعتہ الیھا ۔ (غرر الحکم۔ ص ۶۶۴)

جو شخص گناہ کا خیال زیادہ دل میں لائے گناہ اس کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ گناہ کا خیال دل کو تاریک کرکے اس کی پاکی و طہارت کو ختم کردیتا ہے۔ دیگر الفاظ میں یوں کہئے کہ اسلام کی کوشش یہ ہے کہ گناہ کی بنیاد ہی کو ختم کردیا جائے۔ مجموعی طور پر، اسلام اور اس کے رہنماؤں نے اعمال کے دارومدار کو سزا و جزا کے اعتبار سے نیت پر قرار دیا ہے۔

قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی عمل صالح کا ذکر کیا ہے اس سے پہلے

ایمان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یعنی ہر جگہ ایمان کے بعد عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"ان الذین امنوا و عملوا الصالحات....."

جس عمل کی بنیاد ایمان باللہ پر نہ ہو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ عمل صالح کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اساس ایمان باللہ پر ہو اور وہ عمل ایمان حقیقی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہو۔ وہ نیک کام جو ریاکاری اور خودنمائی کی نیت سے انجام دیا جائے اور اس کا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا نہ ہو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتا اور جلد ہی اس کے اثرات ختم ہوجاتے ہیں۔ دور حاضر کے دانشوروں نے بھی کم و بیش اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

"بعض لادین حضرات جو فطرتاً" اخلاقی قوانین کے حامی ہیں کہتے ہیں کہ سب سے مشکل کام اخلاقی قوانین پر عمل کرنا ہے۔ اگر ہم عملی طور پر ان قوانین پر عمل کرسکیں تو ہمیں مذہب کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ یہ خیال علم نفسیات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ انسان جن قواعد و ضوابط کی بنیاد سے ناآشنا ہو وہ ان میں شک کرنے لگتا ہے۔ نیز ان کی یہ طرز فکر اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اصل بنیادی مسئلے کو سمجھ نہ سکے۔ کیونکہ اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کی اصلاح کرے تاکہ اس طرح اس کی فکر اخلاقی قواعد کے سانچے میں ڈھل جائے۔"

ہمارا مقصد یہ نہیں کہ انسان کو اخلاقیات پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کیا جائے۔ کیونکہ جب تک کسی انسان کا سلوک اس کے تکامل باطن کا آئینہ دار نہ ہوگا اس وقت تک اس کے اعمال کی نوعیت وقتی اور مصنوعی قیود و شروط کے ساتھ ہوگی جو ایک معمولی بہانہ سے ختم ہوجائے گی۔ اگر اخلاقی قواعد و ضوابط کو اپنی مرضی کے مطابق کسی پر مسلط کردیا جائے تو ایسی صورت میں اس کی عملی اہمیت کے باوجود بھی وہ حیوانی خواہشات کے خلاف جنگ نہ کرے گا۔ (کودک۔ ج۱۔ ص۴۴۸)

خداوند عالم نے قرآن مجید کی ایک آیت میں خانہ آخرت کو ان مخصوص افراد کے لیے قرار دیا ہے جو دل میں بالادستی اور فساد کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ وہ آیہ مبارکہ یہ ہے۔

تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا" و العاقبتہ للمتقین ۔(سورہ قصص ۔ آیت ۸۳)

امام زین العابدین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

لا عمل الا بنیتہ ۔(وسائل ۔ ج۱۔ ص۶۷)

"کوئی عمل قبول نہ ہوگا مگر نیت کی بنیاد پر"۔

ایک دوسری روایت کے مطابق امام الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اللہ یحشر الناس علی نیاتھم یوم القیامتہ۔(محاسن برقی۔ ص ۲۶۲)

"خداوند تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق محشور فرمائے گا"۔

ایک دوسری روایت میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

نیتہ المرء خیر من عملہ و نیتہ الفاجر شر من عملہ وکل عامل یعمل بنیتہ۔(محاسن برقی۔ ص ۲۶۰)

"انسان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور بدکار شخص کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بد ہے۔ ہر انسان اپنی نیت کی بنیاد پر عمل کرتا ہے (اور صلہ پاتا ہے)"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرء مانوی۔(وسائل۔ ج۱۔ ص ۶۸)

"یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر انسان نیت کے مطابق ہی حاصل کرتا ہے"۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیک اور بری نیت' اس کے عمل سے

زیادہ کیوں اہم ہے؟ کیا سبب ہے کہ گناہ کا خیال بھی دل میں لانے سے منع کیا گیا ہے۔

روایات میں ان دونوں سوالات کا جواب بھی موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

عن زید الشحام قال قلت لابی عبداللہ علیہ السلام انی سمعت تقول نیتہ المومن خیر من عملہ فکیف تکون النیتہ خیر من العمل؟ قال لان العمل ربما یکون ریاء للمخلوقین و النیتہ خالصتہ لرب العالمین فیعطی اللہ عز و جل علی النیتہ ما لا یعطی علی العمل۔(وسایل۔ ج۱۔ ص ۶۸)

زید شحام کہتا ہے میں نے امام الصادق علیہ السلام سے عرض کی' میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نیت عمل سے بہتر ہو؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ عمل کبھی کبھی ریاکاری اور خودنمائی کے لیے بھی انجام دیا جاتا ہے لیکن نیت کا تعلق خالصتاً پروردگار سے ہے۔ شر کی نیت سے متعلق ایک حدیث امام سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

انما خلد اهل النار فی النار لان نیاتهم کانت فی الدنیا

ان لو خلد و فیھا ان یعصوا اللہ ابدا" و انما خلدا" اھل الجنۃ فی الجنۃ لان نیاتھم کانت فی الدنیا ان لو بقوا فیھا ان یطیعوا اللہ ابدا" فبالنیات خلد ھولاء و ھولاء ثم تلا قل کل یعمل علی شاکلتہ قال علی نیتہ - (وسایل - ج۱ - ص ۹۸)

"اہل جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے - اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں ان کی نیت یہ تھی کہ اگر ہمیشہ دنیا میں رہنا ہو تو ہمیشہ رب کی نافرمانی کریں گے - اسی طرح اہل جنت بھی ہمیشہ جنت میں رہیں گے کیونکہ ان کی نیت یہ تھی کہ اگر ہمیشہ دنیا میں رہنا پڑے تو ہمیشہ خدا کی اطاعت کریں گے - یہ دونوں گروہ اپنی نیتوں کی بنیاد پر ہمیشہ جہنم اور جنت میں رہیں گے"۔

گناہ کا ارادہ بھی اثر رکھتا ہے

ایک حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ فرمایا اگر دو مسلمان آپس میں لڑتے ہوئے ایکدوسرے پر تلوار نکالیں اور ان میں سے ایک قتل ہوجائے تو دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے - حاضرین میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ قاتل جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ اس نے بھی اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا - (جامع السعادات

نراقی - ج۳ - ص ۱۱۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں -

ان الموسن لینوی الذنب فیحرم الرزق - (بحار الانوار - طبع جدید - ج ۷۳ - ص ۳۵۸)

{ یہاں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ انسان کو عام طور پر گناہ یا گناہ کی نیت کی خاطر روزی سے محروم نہیں کیا جاتا - کیونکہ ایسے بے شمار دنیا پرست اور منکرین خدا موجود ہیں جو اپنی پوری عمر گناہ اور کارہائے بد کے ارادے سے گزار رہے ہیں لیکن ان کی ظاہری زندگی نہایت خوشحال ہے - یہ موضوع خصوصیت سے مومنین اور خدا کے خاص بندوں سے متعلق ہے کہ وہ چونکہ ان پر ازحد مہربان ہے اس لیے اگر وہ گناہ کا ارتکاب یا ارادہ کریں تو تنبیہا" انہیں اس طرح مشکلات میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ خدا سے غافل نہ ہوں - شاید آنے والے ابواب میں ہم اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈال سکیں - اگر حدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حدیث میں اسی موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - چونکہ خدا مومن اور صالح شخص کو دوست رکھتا ہے اس لیے تنبیہہ کی خاطر اسے مصائب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ گناہ کے پیچھے نہ جائے - یہاں تک کہ گناہ کا خیال بھی اپنے دل سے نکال دے -

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری حدیث میں فرماتے

ہیں۔

اذا اراد اللہ عز و جل بعبد خیرا" فاذنب ذنبا" تبعہ بنعمتہ و یذکرہ الاستغفار و اذا اراد اللہ عز و جل بعبد شرا" فاذنب ذنبا" تبعہ بنعمتہ لینسیہ الاستغفار و یتمادی بہ وھو قول اللہ عز و جل سنستدرجھم من حیث لا یعلمون بالنعم عند المعاصی۔(بحار۔ج۶۷۔ص۲۲۹)

اگر خداوند تعالیٰ اپنے کسی بندے کے لیے خیرو نیکی کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو پروردگار عالم اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور پھر اسے استغفار اور طلب بخشش پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن اگر رب العالمین کسی بندے کی نسبت خیرو نیکی کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر وہ بندہ گناہ کرے تو خدا اس کے بعد اسے نعمت عطا کرے گا تاکہ اسے استغفار کرنا یاد نہ رہے۔ یہی ہے ارشاد ربانی کا مفہوم جہاں وہ فرماتا ہے کہ **من حیث لا یعلمون** بتدریج اس کو ایسی جگہ سے بلا میں مبتلا کریں گے کہ اسے خبر بھی نہ ہوگی۔ یعنی گناہ کے ارتکاب کے ساتھ نعمتیں دے کر۔ کتب احادیث میں اس حدیث کی مانند دوسری متعدد روایات بھی موجود ہیں۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔

یا علی من کرامتہ المومن علی اللہ انہ لم یجعل لاجلہ

وقتا" حتی یھم بباٸقتہ فاذاھم بباٸقتہ قبضہ الیہ۔(عیون اخبار الرضا علیہ السلام۔ج۲۔ص۲۹)

"بندہ مومن کے لیے خدا کی مہربانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی موت کے لیے ایک مقررہ وقت کو قرار نہیں دیا۔ بلکہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی روح کو قبض کرلیتا ہے (تاکہ وہ گناہ میں آلودہ نہ ہو)"

}

یعنی مومن اگر کبھی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اسی سبب سے وہ روزی سے محروم ہوجاتا ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اسی سلسلے میں اپنے پیروکاروں سے فرماتے ہیں۔

ان موسی امرکم ان لا تزنوا و انا امرکم ان لا تحدثوا انفسکم بالزنا فضلا" ان تزنوا فان من حدث نفسہ بالزنا کمن اوقد فی بیت مزوق فافسد التزا ویق الدخان وان لم یحترق البیت۔(بحار الانوار۔طبع جدید۔ج۱۴۔ص۳۳۱)

"حضرت جناب موسیٰ بن عمران نے تمہیں حکم دیا کہ زنا نہ کرو اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ زنا کے خیال کو بھی دل میں جگہ نہ دو۔ چہ جائیکہ زنا کا عمل انجام دو۔ کیونکہ جو شخص زنا کا خیال دل میں لائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی رنگ و روغن شدہ خوبصورت عمارت میں آگ جلائی جائے اور آگ سے پیدا ہونے والا دھواں اس عمارت کو تباہ

کردے۔ اگرچہ کہ مکان کو نہ جلائے"۔

صدر اسلام میں واقع ہونے والی جنگوں میں مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ایسے افراد بھی شامل تھے جنھوں نے میدان جنگ میں بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا اور کبھی کبھی قتل کردیئے گئے۔ لیکن چونکہ ان کے سامنے شہرت، مال دنیا کا حصول اور اپنے خاندان والوں کا دفاع جیسے دنیاوی مقاصد تھے اس لیے اس عمل سے ان کو کوئی معنوی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اس کے برعکس ایسے افراد بھی دیکھے گئے جو میدان جنگ میں موجود نہ تھے لیکن چونکہ دل سے لشکر اسلام کے ساتھ تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر جنگ کی آرزو رکھتے تھے اس لیے اس حسن نیت کے صلے میں کہا گیا کہ گویا وہ لشکر اسلام کے ساتھ ہیں۔

مثال کے طور پر چند واقعات پر توجہ فرمائیں

۱۔ عاصم بن قتادہ کہتا ہے کہ ہمارے قبیلے میں قزمان نام کا ایک شخص تھا جس کا نسب معلوم نہ تھا۔ جب بھی اس کا ذکر چھڑتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے۔ وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔ جنگ احد کے موقع پر اس شخص نے لشکر اسلام کے ساتھ مل کر بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اس نے تن تنہا سات یا آٹھ مشرکین کو قتل کیا۔ آخرکار جب زخموں سے چور ہوگیا تو اس کے ساتھی اسے اٹھا کر بنی ظفر کے قبیلے والوں میں لے گئے۔ مسلمان اس کے بستر کے اطراف کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے۔ اے قزمان

بخدا آج تم نے راہ خدا میں زبردست فداکاری کی۔ وہ اسے جنت کی بشارت دے رہے تھے۔ قزمان نے جواب دیا۔ تم مجھے کس چیز کی بشارت دے رہے ہو؟ خدا کی قسم میں نے یہ فداکاری صرف اپنے خاندان اور قبیلے والوں کی عزت و شرف کی حفاظت کے لیے کی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں جنگ میں شریک ہی نہ ہوتا۔ جب اس کے زخموں کی اذیت میں اضافہ ہوا تو اس نے تیردان میں سے ایک تیر نکالا اور اس سے بدن کی ایک رگ کو قطع کرکے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔(ترجمہ سیرت ابن ہشام۔ ج۲۔ص ۱۱۲)

۲۔ جنگ تبوک مسلمانوں کے لیے انتہائی شدید جنگ تھی۔ کیونکہ جنگ ایسے موقع پر ہوئی جب گرمی کی شدت اپنے عروج پر تھی۔ مدینہ میں کھجور کی فصل کے چننے کا وقت تھا۔ مسلمان انتہائی تنگ دست تھے۔ کھانے کے لیے خورد و خوراک کا سامان نہ تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے جنگ میں شرکت کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ {شیخ طبرسی رحمتہ اللہ علیہ، مجمع البیان کی جلد۵۔ ص۷۹ میں سورۂ توبہ کی اس آیت (۱۱۸) کی شان نزول کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ آیت جنگ تبوک میں مسلمانوں کو پیش آنے والی مشکلات کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی مشکلات کا یہ عالم تھا کہ ہر دس آدمیوں میں سے ایک کے پاس اونٹ تھا اور ہر شخص اپنی باری آنے پر ایک گھنٹے کے لیے اس پر سوار ہوتا۔ ان

کے خورد و خوراک کا سامان کیڑے لگے جو اور کھجور پر مشتمل تھا جن میں
سے بدبو آرہی تھی۔ ہر گروہ کو خرما کی ایک مقدار تقسیم کردی گئی تھی۔
جب ان میں سے کسی کو سخت بھوک لگتی۔ خرما کا ایک دانہ اٹھا کر منہ میں
رکھتا اور اسے چوستا تھا۔ جب منہ میٹھا ہوجاتا تو منہ سے نکال کر اپنے
ساتھی کو دیتا اور خود پانی کا ایک گھونٹ پی لیا کرتا۔ اس کا ساتھی بھی خرما
کو تھوڑی دیر چوستا اور پھر دوسرے کے حوالے کرتا۔ یہاں تک کہ جب
آخری آدمی کی باری آئی تو صرف بیج باقی رہ جاتا تھا۔} مسلمانوں کے ایک
گروہ نے لشکر اسلام میں شامل ہونے سے انکار کردیا جنہیں بعد میں
نہایت سخت تنبیہہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک اور گروہ نے درمیان راہ، گرمی
کی شدت اور پیاس کی وجہ سے واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن خدا کا کرم
ان کے شامل حال ہوا اور انہوں نے واپسی کا ارادہ ترک کردیا۔ خداوند
عالم نے اس کی تفصیل سورۂ مبارکہ توبہ میں بیان فرمائی ہے۔

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تبوک کے ارادے سے مدینہ
سے باہر نکلے تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "مدینہ میں ایسے
لوگ بھی موجود ہیں جو ہمارے تمام اعمال یعنی بیابانوں میں بھٹکنا، مالی
اخراجات اور بھوک و پیاس میں برابر کے شریک ہیں۔ درآں حالیکہ وہ
مدینہ میں (اپنے گھروں میں) ہیں۔ اصحاب نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! وہ
لوگ ہمارے ساتھ موجود نہیں۔ پھر کس طرح ہمارے اعمال میں شریک

ہیں؟" آپؐ نے فرمایا۔ "وہ لوگ جنگ میں شرکت سے معذور ہیں لیکن
چونکہ ان کی نیتیں نیک ہیں اس لیے ہمارے ساتھ شریک ہیں۔"

۳۔ حدیث میں وارد ہے کہ کسی جنگ میں مسلمانوں میں سے ایک شخص
کفار کے ہاتھوں قتل کردیا گیا اور مسلمانوں میں "قتیل الحمار" (گدھے کی
راہ کا مقتول) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ایک کافر
سے اس ارادے سے جنگ کرنے گیا کہ اسے قتل کرکے اس کے گدھے پر
قبضہ کرے۔ لیکن جب وہی شخص اس کافر کے ہاتھوں مارا گیا تو مذکورہ نام
سے مشہور ہوا۔ (جامع السعادات نراقی۔ ج۳۔ ص۱۱۳)

۴۔ جب امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کردیئے گئے اور آپ کی
شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے
صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، اہل بیت اطہارؑ کے چاہنے والوں
کے ایک گروہ کے ساتھ، امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر کی زیارت کے
ارادے سے کوفہ کی طرف نکل گئے۔ اور اربعین کو (یعنی واقعہ کربلا کے
چالیس دن بعد) کربلا میں وارد ہوئے۔ شیخ طوسی کے بقول وہ پہلے زائر تھے
جو قبر اطہر پر پہنچے۔ اس سفر میں عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی جنہیں کچھ لوگ
عدم واقفیت کی بنا پر جابر کے غلام کی حیثیت دیتے ہیں اور جن کا شمار
اسلام کے عظیم دانشوروں اور مفسروں میں ہوتا ہے، جابر کے ہمراہ تھے۔
یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جابر کوفہ میں ان کے گھر گئے ہوں اور انہیں

ساتھ لے کر سید الشہداء کی قبر کی زیارت کو نکل پڑے ہوں۔

حدیث کے بقیہ حصہ کو عماد الدین طبری اپنی کتاب "بشارۃ المصطفیٰ" میں اس طرح رقم کرتے ہیں۔ عطیہ کہتے ہیں "جب ہم کربلا پہنچے تو جابر نے فرات کے کنارے غسل کیا۔ کپڑے زیب تن کیے۔ پھر ایک کپڑے کو جس میں سعد {سعد ایک خوشبودار گھاس تھی۔ اس زمانے میں اسے ایک قسم کا عطر گنا جاتا تھا} تھا، کھولا۔ اسے اپنے بدن پر چھڑکا اور قبر سید الشہداء کی طرف چل پڑے۔ تمام راستے جابر کا کوئی قدم ذکر خدا سے خالی نہ تھا۔ جب قبر مبارک کے نزدیک پہنچے تو مجھ سے کہا "میرے ہاتھ کو قبر کے اوپر رکھ دو۔" میں نے جابر کا ہاتھ قبر پر رکھا۔ جابر نے اپنے آپ کو قبر پر گرا دیا اور بیہوش ہوگئے۔ میں نے ان کے چہرہ پر پانی چھڑکا۔ یہاں تک کہ ہوش میں آگئے۔ ہوش میں آتے ہی تین بار پکار کر کہا۔ "یا حسین"۔ پھر کہنے لگے "کیا بات ہے آقا۔ اپنے دوست کو جواب نہیں دیتے؟" جواب میں خود کہنے لگے "کیونکر جواب دیجئے گا۔ آپ کی گردن کی رگیں کاٹ دی گئی ہیں اور سر کو بدن سے جدا کردیا گیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند، امیر المومنین علیہ السلام کے نور نظر اور اصحاب کساء کی پانچویں ہستی ہیں۔

جب جابر نے یہ الفاظ ادا کیے تو میں نے دیکھا کہ جابر نے اپنی نگاہیں قبر اطہر کے اطراف دوڑائیں اور (شہداء کربلا کو مخاطب کرکے) کہا۔

السلام علیکم ایتھا الارواح التی حلت بفناء الحسین و اناخت برحلہ واشھد انکم اقمتم الصلوٰۃ و ایتتم الزکوۃ و امرتم بالمعروف ونھیتم عن المنکر وجاھدتم الملحدین وعبدتم اللہ حتی اتاکم الیقین والذی بعث محمدا" بالحق نبیا" لقد شارکناکم فیما دخلتم فیہ۔

"ان روحوں پر سلام جو آستانہ حسین علیہ السلام پر تحلیل ہوگئیں جنہوں نے ان کی منزل گاہ پر پڑاؤ ڈالا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی۔ نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا۔ بے دینوں سے جنگ کی اور اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ یقین حاصل ہوگیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ پیغمبری پر مبعوث کیا کہ ہم اس راہ پر آپ کے ساتھ شریک ہیں جس پر آپ قدم زن ہوئے۔"

عطیہ (جو جابر کے اس کلام پر متحیر تھے) کہتے ہیں "میں نے ان سے کہا اے جابر ہم کیونکر ان کے ساتھ شریک ہیں جبکہ ہم نے اس راستے کی صعوبتوں کو برداشت نہ کیا اور نہ ہی ان کی معیت میں تلوار چلائی۔ جبکہ یہ لوگ شہید ہوگئے ہیں ان کے سربدن سے جدا کردیئے گئے۔ ان کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بے والی و وارث کردیا گیا"۔

جابر نے جواب دیا۔

یا عطیہ سمعت حبیبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یقول من احب قوما" حشر معهم ومن احب عمل قوم اشرک فی عملهم والذی بعث محمدا" بالحق نبیا" ان نیتی ونیتہ اصحابی علی مامضی علیہ الحسین علیہ السلام و اصحابہ۔

"اے عطیہ میں نے اپنے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے جو شخص جس قوم کو دوست رکھے اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔ اور جو کسی قوم کے عمل کو دوست رکھے تو وہ ان کے عمل میں شریک ہے۔ قسم ہے اس رب کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ پیغمبری پر مبعوث کیا میری اور میرے ساتھیوں کی نیت اور راہ وہی تھی جس پر حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب چلے ہیں۔(بشارۃ المصطفیٰ۔ ص۸۹)

صرف یہی نہیں بلکہ اسلام ان لوگوں کو بھی شریک گناہ جانتا ہے جو دوسروں کے گناہوں پر راضی ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

انما یجمع الناس الرضا و السخط فمن رضی امرا" فقد دخل فیہ و من سخطہ فقد خرج منہ۔(محاسن برقی۔ ص۲۶۲)

"صرف رضا اور عدم رضا ہی ایسی چیزیں ہیں جو لوگوں کو ایک دوسرے کے اعمال میں شریک بناتی ہیں (و نیز ایک دوسرے کے اعمال سے لاتعلق بھی بناتی ہیں) جو شخص کسی کے عمل پر راضی ہو وہ اس عمل میں اس کے ساتھ ہے جو کسی کے عمل سے بیزار ہو تو گویا وہ اس عمل میں اس کے ساتھ نہیں۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الراضی بفعل قوم کالداخل فیہ معهم و علی کل داخل فی باطل اثمان اثم العمل بہ واثم الرضا بہ۔(نہج البلاغہ۔ ص ۱۱۵۴)

"جو شخص لوگوں کے کسی عمل سے راضی ہو گویا وہ بھی اس عمل میں ان کے ساتھ تھا۔ جو شخص کسی غلط فعل کا مرتکب ہو اس کے لیے دو گناہ ہیں۔ (۱) عمل بد کا گناہ (۲) عمل بد سے راضی ہونے کا گناہ"۔

امام حسین علیہ السلام کی زیارات میں درج ذیل عبارت سے مشابہہ الفاظ متعدد مقامات پر استعمال کیے گئے ہیں۔

..... فلعن اللہ امتہ" قتلتک و لعن اللہ امتہ" ظلمتک و لعن اللہ امتہ" سمعت بذالک فرضیت بہ

....."پس خدا اس امت پر لعنت کرے جس نے آپ کو قتل کیا۔ خدا اس امت پر لعنت کرے جس نے آپ پر ظلم کیا۔ اور خدا اس قوم پر بھی

لعنت کرے جس نے آپ پر گزرنے والی داستان ستم کو سنا اور اس پر راضی ہوا"۔

اس دلیل سے قرآن مجید نے بھی ان لوگوں کو جو مومنین کے درمیان عمل بد کے رواج پانے پر راضی ہوں' دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کی خبر دی ہے۔ خداوند جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشہ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا و الاخرۃ

{یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ گناہ کا قصد کرنا جبکہ ابھی عمل گناہ سرزد نہیں ہوا کیونکر گناہ ہوسکتا ہے۔ حالانکہ امام علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں۔

ان اللہ تبارک و تعالی جعل لادم فی ذریتہ من ھم بحسنتہ ولم یعملھا کتبت لہ حسنتہ" ومن ھم بحسنتہ وعملھا کتبت لہ بھا عشرا" ومن ھم بسیئتہ ولم یعملھا لم تکتب علیہ سیئتہ ومن ھم بھا وعملھا کتبت علیہ سیئہ

بہ تحقیق خداوند تبارک و تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام اور ان کی اولادؑ کے لیے قرار دیا ہے کہ وہ جو بھی عمل نیک کا ارادہ کرے اور اسے

بجا نہ لائے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور جو نیک کام کا ارادہ کرے اور اسے بجالائے اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ جو برے کام کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے وہ لکھا نہیں جاتا۔ لیکن جو شخص برے کام کا ارادہ کرے اور اس پر عمل بھی کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔(اصول کافی مترجم۔ ج ۴۔ص ۱۶۱)

اس حدیث سے مشابہہ کتب احادیث میں چند دوسری روایات بھی موجود ہیں۔

سید مرتضیٰ' شیخ بھائی اور محقق طوسی جیسے مقتدر اور بلند پایہ شیعہ علماء نے بھی اس سوال کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ لیکن آیات و روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو امر تحقیق پاتا ہے وہ یہ کہ اخلاقی نقطہ نگاہ سے گناہ کا ارادہ کرنا یا اس پر راضی ہونا' جو اس وقت نفس مضمون ہے "گناہ تصور کیا جاتا ہے اور ظاہراً اس کی رد پر کوئی روایت موجود نہیں۔ لیکن ان علماء نے فقہی نقطہ نظر سے بعض امور کو روشن کیا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ گناہ کی نیت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جہاں نیت سے مراد خطور قلب ہو۔ یعنی خیال بے اختیار دل میں جگہ پائے اور اسے دوام حاصل نہ ہو۔ یہ قسم مورد مواخذہ نہیں اور نہ ہی حرام ہے۔ نیت گناہ کی دوسری قسم وہ

ہے جہاں گناہ کے لیے پختہ ارادہ کرلیا جائے اور اس کے بعد اپنے
ارادے پر عمل کرلیا جائے۔ جن روایات میں نیت گناہ کو مورد مواخذہ
قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہی گناہ ہے جس کے لیے پختہ ارادہ کرلیا گیا
ہو۔ علامہ نے شرح تجرید میں جو مطالب بیان کیے ہیں اس سے یہی معنی
مراد ہیں۔

۲۔ اس امر سے انکار نہیں کہ گناہ کی نیت کرنا بھی گناہ ہے۔ لیکن یہ
روایت سے ثابت کرتی ہے کہ گناہ قابل معافی ہے۔ شیخ بہائی نے بھی اسی
موضوع پر گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ہمارے اور عامتہ المسلمین کے
درمیان اس امر پر کوئی اختلاف نہیں کہ گناہ اور اس کی نیت دونوں
معصیت ہیں لیکن حدیث کا نفس مضمون یہ ہے کہ نیت گناہ کو عفو کردیا گیا
اور اب اسے نامہ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا۔

۳۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی زنا یا شراب خوری جیسے گناہ
کا ارادہ کرے تو جب تک اس گناہ پر عمل نہ کیا ہو اس کے لیے کوئی سزا
نہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ یہ حدیث اس روایت سے
متصادم نہیں۔ جہاں کوئی اصرار اور دیدہ دلیری کے ساتھ حق تعالیٰ کی
نافرمانی کے گناہ کا ارادہ کرے۔ اسی امر کو امیرالمومنین علیہ السلام یوں
بیان فرماتے ہیں۔

علی کل داخل فی باطل اثمان

۴۔ شیخ انصاریؒ فرائد میں اس طرح نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کی نیت کرے اور پھر
اس پر نادم ہو۔ پھر اپنے اختیار سے اس پر عمل نہ کرے۔ گزشتہ روایات
سے وہ شخص مراد ہے جو اپنی نیت پر باقی رہے اور اسے ترک نہ کرے۔
لیکن داخلی اور خارجی مشکلات کی بنا پر گناہ پر عمل نہ کرسکے (جناب شیخ نے
اس کی دوسری تعبیر بھی بیان کی ہے جس کے لیے فرائد سے رجوع کیا
جاسکتا ہے)۔

محقق عبرانی نہج البلاغہ کی اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں کہ عمل
کے گناہ کی حقیقت تو روشن ہے۔ لیکن رضایت عمل پر گناہ کا سبب یہ ہے
کہ باطل عمل پر راضی ہونا باطل سے محبت پر دلیل ہے جبکہ باطل سے
محبت رکھنا گناہ ہے۔ (شرح ابن میثم۔ ج۵۔ ص۳۳۳)

مختصر یہ کہ جملہ روایات اور بزرگان دین کے فرمودات سے یہ بات
واضح ہوجاتی ہے کہ گناہ کی نیت یا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے۔ ہاں یہ ممکن
ہے کہ جب تک نیت پر عمل نہ کیا ہو قابل بخشش ہو یا پھر یہ کہ چونکہ
خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے اس لیے جب تک بندے
عمل نہ کریں وہ مواخذہ نہیں کرتا۔ یا از باب تجری گناہ است جس کی
مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ لیکن فی الوقت ہم فقہی حکم پر دلیل دینا نہیں
چاہتے کیونکہ جیسا بتایا جاچکا ہمارا مقصد اخلاقی نقطہ نگاہ سے بحث کرنا ہے۔

تیسرا فرق

فطری اور معاشرتی قوانین کی مخالفت کی سزا اسی دنیا اور معاشرہ تک محدود ہے۔ لیکن اسلام کی نگاہ میں الٰہی قوانین کی مخالفت کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ مثلاً زمین کی قوت جاذبہ ہر وزن دار جسم کو جس میں قوت جاذبہ زمین کے مقابلے پر اڑنے کی سکت نہ ہو شدت سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جو شخص اس قانون کی ضد پر بلندی سے خود کو ہوا میں چھوڑ دے وہ اپنی مخالفانہ عمل کی سزا میں زمین پر گر پڑتا ہے اور اس کے ہاتھ' پاؤں' ہڈیاں اور استخوان سر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں یا آگ کی مثال کو لے لیجئے۔ آگ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر شئے کو جلا دیتی ہے اور اپنے نزدیک ہر اس شئے کو بھی جلا دیتی ہے جس میں جلنے کی صلاحیت ہو۔ جو بھی اس قانون کی مخالفت پر عمل کرے گا وہ سزا کے طور پر جل جائے گا۔ مملکتی اور معاشرتی قوانین میں بھی چوری اور دوسرے جرائم کے لیے قید کی سزا مقرر ہے۔ جو انسان اس قانون کی مخالفت پر عمل کرے اسے قید بھگتنا پڑتی ہے۔ جبکہ بات صرف اسی پر ختم نہیں ہوتی اور اسے مزید بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ لیکن الٰہی قوانین کو توڑنا دنیا میں بھی بدبختی کا سبب بنتا ہے اور آخرت کے عذاب سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اسلام ایک طرف تو دنیا کے تمام مصائب و مشکلات کو گناہ کا نتیجہ جانتا ہے اور دوسری طرف گنہگار شخص کو آخرت کے طویل اور سخت

عذاب سے ڈراتا ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔ (سورہ روم۔ آیت ۴۱)

"تباہی اور فساد خشکی اور تری میں ظاہر ہوگئی۔ ان اعمال کے سبب سے جو لوگوں سے سرزد ہوئے"۔ رب جلیل دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔

-

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت اید یکم... (سورہ شوریٰ - آیت ۳۰) "ہر وارد ہونے والی مصیبت خود کردہ اعمال کی وجہ سے ہے"۔ مزید دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔۔

بلی من کسب سیئۃ" واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار هم فیها خالدون۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۸۱)

"یقیناً جو برائی کمائے اور اس کی برائی اسے گھیرے تو ایسے لوگ ہی جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔ متعدد آیات میں دنیا اور آخرت کی سزا کو ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔۔ **فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبهم فتنۃ" او یصیبهم عذاب الیم۔** (سورہ نور۔ آیت ۶۳)

"ڈریں وہ لوگ جو حکم خدا کی مخالفت کرتے ہیں کہ یا تو (دنیا میں) کسی بلا میں مبتلا ہوجائیں گے یا پھر (آخرت کا) دردناک عذاب ان کو

آلے گا"۔

خداوند عالم ایک دوسری آیت میں مفسدین اور اللہ سے جدال کرنے والوں کے متعلق فرماتا ہے۔۔**لهم فی الدنیا خزی و لهم فی الاخرة عذاب عظیم**۔(سورہ مائدہ۔ آیت ۳۳) "ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب مقرر ہے"۔

اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے کثیر روایات وارد ہوئی ہیں جن میں موضوع کی تصریح کی گئی ہے۔ ہم انشاء اللہ آیندہ ابواب میں ان میں سے کچھ روایات کو نقل کریں گے۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو روایتوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے جن میں سے ایک زنا اور دوسری جھوٹ سے متعلق ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔۔

ثمرة الکذب المهانة فی الدنیا و العذاب فی الاخرة ۔ (غرر الحکم۔ ص ۳۶۱) "جھوٹ کا ثمرہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ہے"۔ زنا کے متعلق جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔۔**یا معشر المسلمین ایاکم والزنا فان فیه ست خصال ثلاث فی الدنیا و ثلاث فی الاخرة ۔ فاما التی فی الدنیا فانه یذهب بالبهاء ویورث الفقر وینقص العمر واما التی فی الاخرة فانه یوجب سخط الرب وسوء الحساب**

و الخلود فی النار۔(خصال صدوق۔ج۱۔ص ۳۲۰)

"اے گروہ مسلمین زنا سے بچو کہ اس میں چھ (بد) خصوصیات ہیں۔ جن میں سے تین دنیا میں اور تین آخرت میں ہیں۔ تین دنیاوی خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ حسن کا خاتمہ کرتا ہے

۲۔ پریشانی اور تنگ دستی لاتا ہے

۳۔ عمر کو کم کرتا ہے۔

جبکہ آخرت کی تین خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ خدا کی ناراضگی

۲۔ حساب کی بدی

۳۔ ہمیشہ کے لیے آتش جہنم میں رہنا۔{قرآن مجید نے عمل نیک کے اجر سے متعلق متعدد آیات میں گفتگو کی ہے۔ سورۂ آل عمران (آیت۱۴۸) میں فرماتا ہے۔ **فاتا هم الله ثواب الدنیا و حسن ثواب الاخرة** ۔ سورۂ نساء (آیت ۱۳۴) میں ارشاد فرمایا **فعند الله ثواب الدنیا و الاخرة** ۔ سورۂ یونس آ(یت۶۳) میں مومنین اور پرہیزگاروں سے متعلق ارشاد ہے **الذین امنوا وکانوا یتقون لهم البشری فی الحیاة الدنیا و فی الاخرة.....**}

اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک دنیوی اور اخروی زندگی ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ لوگ دنیا میں خوشحال زندگی بسر کریں اسی طرح اسلام لوگوں کے لیے موت کے بعد ایک پر آسایش زندگی کا بھی خواہشمند ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں معاد' روز جزا کا حساب اور صلہ آخرت کے تصور ایمان کو تقویت بخشتا ہے۔ محشر کے سزا و جزا سے خوف دلاتا ہے۔ اسلام نے اس تصور کو اجاگر کرکے کہ انسان کا کوئی عمل بغیر اجر نہ جائے گا' انسان کو خلوت اور جلوت میں گناہ کے ارتکاب سے روکا ہے۔ اس طرح ان کے اور گناہ کے درمیان ایک مضبوط بند باندھ دیا گیا ہے۔ یہی وہ ہدایات ہیں جو انسان کو شہوات اور خواہش نفسانی کے مقابلے پر مضبوط پہاڑ کی مانند ثابت قدم کرتی ہیں۔ { حدیث میں وارد ہے **"المومن کالجبل الراسخ لا تحرکہ العواصف"** (مومن ایک مضبوط پہاڑ کی مانند ہے کہ تند و تیز ہوائیں اسے ہلا نہیں سکتیں۔) } کیونکہ اگر روز محشر کے سزا و جزا پر ایمان نہ ہو تو ایسی صورت میں معاشرتی قوانین صرف محدود اور ناقص انداز سے انسانی خلاف ورزیوں کو روک سکتے ہیں۔ لیکن ایسے وقت جب گناہگار عالم خلوت میں ہو' گناہ کے وسایل اس کے لیے مہیا ہوں۔ اپنی رسوائی اور قانون کے محافظوں کا خوف نہ ہو تو ایسے وقت روز محشر پر ایمان کے علاوہ وہ

کونسی طاقت ہے جو گنہگار کو گناہ سے روکے۔ اس کے علاوہ کچھ دنیوی تعزیری قوانین اپنی خامیوں کی وجہ سے گنہگار کو خوف دلانے اور ڈرانے سے قاصر ہیں۔ ایسی صورت میں ارتکاب گناہ کا راستہ کیونکر روکا جاسکتا ہے۔

مشہور ہے' کسی چور سے سوال کیا گیا کہ چوری کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا یہ عمل دو حالتوں سے خارج نہیں یا چوری کرتے وقت گرفتار کرلیا جاؤں گا یا پھر کسی نہ کسی طرح بھاگ جاؤں گا۔ اگر گرفتار ہونے سے بچ جاؤں تو زحمت اور کوشش کے بغیر مال کثیر ہاتھ آئے گا اور اگر پکڑا جاؤں تو زیادہ سے زیادہ میری سزا یہ ہوگی کہ چند ماہ آرام و آسایش کے ساتھ شور شرابہ سے دور پرسکون ماحول میں قید میں گزارنے پڑیں گے۔

لیکن دین کے منطقی نقطہ نگاہ سے دنیا میں چور کی سزا منظر عام پر اس کے ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا کھلے عام سو تازیانے مارنا ہے۔ اگر بفرض گنہگار دنیاوی سزا سے کسی طور پر بچ جائے تو آخرت کی سزا سے کسی طور نہیں بچ سکتا۔ اس دن اگر وہ خود اپنے گناہ کا اقرار نہ کرے تو اس کے اعضاء و جوارح گناہ کی گواہی دیں گے۔ اس کو ہر عمل کی چاہے ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو ضرور صلہ ملے گا۔ اس صورتحال میں کیونکر ممکن ہے کہ وہ گناہوں کی سزا سے بچ کر سکون و بے فکری میں مزید گناہ کا ارتکاب کرے۔ پس معلوم ہوا کہ معاد اور روز جزا پر ایمان ہی انسان کو گناہوں

سے روک سکتا ہے۔

درج ذیل حکایتوں پر توجہ فرمائیں

۱۔ سید محمد اشرف علوی اپنی کتاب فضایل السادات میں ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ صلحاء میں سے ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں مصر گیا۔ وہاں میں نے ایک لوہار کو دیکھا کہ پگھلے ہوئے لوہے کو بھٹی میں سے اپنے ہاتھ سے نکال کر باہر رکھتا ہے جبکہ لوہے کی حرارت اس کے ہاتھ پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ یقیناً ایک صالح انسان ہے جس پر آگ اثر نہیں کرتی۔ میں یہ سوچ کر اس کے پاس گیا اور سلام کے بعد اس سے کہا۔ "تجھے اس خدا کی قسم جس نے تجھے یہ کرامت عطا کی۔ میرے حق میں دعا کرو۔"

لوہار نے جواب دیا۔ "بھائی میں وہ نہیں جو تو سمجھ رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "بھائی جو کام تم کر رہے ہو، صالح افراد کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔"

وہ کہنے لگا۔ "اس سلسلے میں میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہارے لیے بیان کروں۔

میں نے جواب دیا۔ "اس احسان کے لیے تمہارا شکر گزار رہوں گا۔"

اس نے کہا۔ "ایک روز میں اسی دوکان پر بیٹھا تھا کہ ناگاہ ایک انتہائی حسین و جمیل عورت جس کی مثال میں نے اس سے قبل نہ دیکھی

تھی، میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ "بھائی کیا تمہارے پاس کچھ ہے جو مجھے خدا کی راہ میں دے سکو؟" میں اس کے حسن پر فریفتہ ہوگیا تھا، اسے جواب دیا۔ "اگر میرے ساتھ گھر چل کر میری ضرورت پوری کرو تو جو کچھ مانگو گی وہ ملے گا۔" عورت غصہ ہوگئی اور کہنے لگی۔ "خدا کی قسم میں اس قسم کا کام کرنے والی عورتوں میں سے نہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ "تو پھر جاؤ اپنا کام کرو۔" وہ عورت اٹھ کر چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد دوبارہ واپس آئی اور کہنے لگی کہ ضرورت اور تنگ دستی نے مجھے مجبور کیا کہ تمہاری خواہش پوری کروں۔

میں نے اٹھ کر دوکان بند کی اور اسے اپنے گھر لے گیا۔ گھر پہنچ کر کہنے لگی۔ "اے شخص میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں انہیں بھوکا گھر میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ اگر تو مجھے کچھ دے دے تو میں بچوں کے لیے کچھ لے جاسکوں گی۔ اور پھر دوبارہ تیرے پاس واپس آجاؤں گی۔" میں نے اس سے واپس آنے کا وعدہ لیا اور اسے چند درہم دے دیئے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ میرے گھر واپس آئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کو بند کیا اور اسے تالا لگا دیا۔ عورت نے پوچھا۔ "ایسا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے جواب دیا۔ "لوگوں کے خوف سے۔" وہ کہنے لگی۔ "لیکن لوگوں کے خدا سے نہیں ڈرتے؟" میں نے کہا۔ "وہ معاف کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔" یہ کہہ کر میں اس کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شاخ بید

کی مانند لرز رہی تھی اور آنسوؤں کا سیلاب چہرے پر رواں تھا۔ میں نے کہا۔ "کیوں اتنا خوف کھا رہی ہو؟ تمہارے لرزنے کا سبب کیا ہے؟" کہنے لگی۔ "اپنے خدا سے خوف کھا رہی ہوں۔" پھر کہا۔ "اے شخص خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو۔ میں ضمانت دیتی ہوں کہ خداوند عالم دنیا و آخرت میں تجھے آگ سے نہ جلائے گا۔"

میں اس کی گفتگو پر متوجہ تھا اور اسے اس کیفیت میں دیکھ کر اٹھا۔ جو کچھ میرے پاس موجود تھا، میں نے اسے دیا اور اس کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس مال کو اٹھاؤ اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں نے تجھے خدا کے واسطے آزاد کیا۔"

وہ عورت اٹھی اور چلی گئی۔ اس کیفیت میں مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا ایک انتہائی معزز و محترم خاتون، جن کے سر پر یاقوت کا تاج تھا، میرے پاس آ کر کہنے لگیں۔

یا ھذا جزاک اللہ عنا خیرا"

اے شخص خدا ہماری طرف سے تمہیں جزائے خیر دے۔

میں نے پوچھا۔ "بی بی! آپ کون ہیں؟"

فرمانے لگیں۔ "میں اسی عورت کی ماں ہوں جو تیرے پاس آئی تھی اور تو نے اسے خدا کے واسطے آزاد کیا۔"

لا احرقک اللہ بالنار لا فی الدنیا و لا فی الاخرۃ

خدا تجھے دنیا و آخرت میں آگ سے نہ جلائے گا۔

میں نے سوال کیا۔ "وہ عورت کس خاندان سے تھی؟"

فرمانے لگیں۔ "وہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذریت سے تھی۔"

جب میں نے یہ سنا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق بخشی۔ فوراً ہی میرا خیال اس آیہ مبارکہ کی طرف گیا۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا"

اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ اس دن سے آج تک دنیا کی آگ مجھے نہیں جلاتی۔ مجھے امید ہے کہ آخرت کی آگ سے بھی محفوظ رہوں گا۔(فضایل السادات۔ ص۲۴۰-۲۴۱)

رہزن کا قصہ

۲۔ ثقۃ الاسلام کلینی اعلیٰ اللہ مقامہ اصول کافی میں امام سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا۔

ایک شخص اپنے اہل خاندان کے ساتھ سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ دوران سفر کشتی ٹوٹ گئی۔ اس شخص کی بیوی کے علاوہ باقی تمام لوگ پانی میں ڈوب گئے۔ عورت نے ایک ٹوٹے ہوئے تختے کا سہارا لیا اور خود

کو ایک جزیرے پر پہنچا دیا۔ جزیرے میں ایک رہزن موجود تھا جسے کسی گناہ سے عار نہ تھا۔ یکایک رہزن کی نگاہ اس عورت پر پڑی جو اس کے سرہانے ہی موجود تھی۔ رہزن نے اپنی گردن اٹھا کر آواز دی۔ "اے عورت! تو انسان ہے یا جن؟" وہ کہنے لگی "میں انسان ہوں۔" رہزن نے اس سے مزید بات نہ کی اور اٹھ کر زنا کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کرنا ہی چاہ رہا تھا کہ دیکھا کہ وہ عورت پریشان ہو کر لرز رہی ہے۔ رہزن نے پوچھا "کیوں لرزتی ہو؟ اور پریشانی کس بات کی ہے؟"

عورت نے جواب دیا "اس سے خوف کھا رہی ہوں۔" ساتھ ہی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

اس شخص نے پوچھا۔ "کیا اس سے پہلے ایسا کام کیا ہے؟"

عورت کہنے لگی۔ "رب العزت کی قسم۔ نہیں۔"

رہزن نے عورت کو (اس کیفیت میں دیکھ کر) کہا۔ "تم نے اس سے پہلے ایسا کام نہیں کیا، پھر بھی اس طرح خوف کھا رہی ہو۔ حالانکہ میں نے تمہیں جبراً اس کام پر مجبور کیا ہے۔ خدا کی قسم تجھ سے زیادہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ اس طرح سے خوف کھاؤں۔"

رہزن نے یہ کہا اور اس عورت کو ہاتھ لگائے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے توبہ کا ارادہ کیا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔۔

راستے میں اس کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی۔ دونوں سفر میں

ایکدوسرے کے ساتھ ہو گئے۔ موسم گرم تھا۔ سورج کی گرمی دونوں کو تپائے دے رہی تھی۔ راہب نے رہزن سے کہا۔ "خدا سے دعا کرو تاکہ وہ ابر کو ہمارے سروں پر سایہ بنادے۔ سورج کی تپش جلائے دے رہی ہے۔" رہزن نے جواب دیا۔ "چونکہ میں نے خدا کے لیے کوئی نیک کام انجام نہیں دیا اس سے دعا کی جرات نہیں کرسکتا۔"

راہب کہنے لگا۔ "اچھا تو پھر میں دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔" لہٰذا راہب نے دعا کی اور رہزن نے آمین کہا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے دونوں کے سروں پر سایہ کیا۔ دونوں اس ابر کے سائے میں چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے دونوں کے راستے الگ ہوتے تھے۔ دونوں اپنے اپنے راستوں پر چل پڑے۔ راہب نے دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اب اس جوان کے سر پر سایہ دے رہا ہے۔ راہب نے اس سے کہا۔ "تو مجھ سے بہتر ہے اور میری دعا تیری وجہ سے مستجاب ہوئی۔ اب بتلاؤ حقیقت واقعہ کیا ہے۔" رہزن نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔

راہب نے کہا۔ "چونکہ خدا کا خوف تجھ پر طاری ہو گیا اس لیے تیرے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اب آئندہ کے لیے محتاط رہنا۔" (اصول کافی مترجم۔ ج ۳۔ ص ۱۱۱)

شعوانہ

شعوانہ ایک عورت تھی جس کی آواز نہایت شیرین اور طرب انگیز تھی۔ بصرہ میں لہو و لعب کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس میں یہ عورت شریک نہ ہو۔ لہو و لعب کی ان مجلسوں سے اس نے کثیر دولت جمع کی۔ اس دولت سے اس نے متعدد کنیزیں خریدیں جن سے انہی مجلسوں میں کام لیا جاتا۔ ایک روز اپنی کنیزوں کے جھرمٹ میں ایک کوچے سے گزر رہی تھی کہ ناگاہ ایک مکان سے فریاد کی آواز سنائی دی۔ شعوانہ نے ایک کنیز کو اس گھر میں بھیجا تاکہ فریاد کا سبب معلوم ہو۔ کنیز گئی اور واپس نہ آئی۔ دوسری کنیز کو اس تاکید کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ جلد واپس آکر اس مکان کی صورتحال سے باخبر کرے۔ وہ کنیز بھی گھر میں داخل ہوئی اور واپس نہ آئی۔ اسی طرح تیسری کنیز کو بھی تاکید کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

تیسری کنیز نے واپس آکر مالکن کو بتایا۔ آہ و فریاد کی یہ آوازیں معصیت کاروں اور گنہگاروں کی ہیں۔ شعوانہ کو تجسس پیدا ہوا۔ وہ بھی داخل خانہ ہوئی۔ دیکھا کہ ایک واعظ کے چاروں طرف کچھ افراد بیٹھے ہیں جنہیں وہ موعظہ دے کر عذاب خدا اور آتش جہنم سے ڈرا رہا ہے۔ اور وہاں موجود لوگ اپنی تباہ حالت پر گریہ کر رہے ہیں۔

شعوانہ اس وقت وارد ہوئی جب واعظ روز قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق ایک آیت کی تفسیر بیان کر رہا تھا۔

بل کذبوا بالساعۃ و اعتدنا لمن کذب بالساعۃ سعیرا" اذا راتھم من مکان بعید سمعوالھا تغیظا" و زفیرا" و اذا القوا منھا مکانا" ضیقا" مقرنین دعوا ھنالک ثبورا" -(سورہ فرقان - آیت ۱۰-۱۳)

"ان لوگوں نے قیامت کو جھوٹ سمجھا ہے۔ اور جس شخص نے قیامت کو جھوٹ سمجھا اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ جب جہنم ان لوگوں کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آواز کو سنیں گے۔ جب یہ لوگ زنجیروں سے جکڑ کر اس کی کسی تنگ جگہ میں جھونک دیئے جائیں گے تو اس وقت موت کو پکاریں گے"۔

جب شعوانہ نے ان آیات کو سنا تو اس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ واعظ کو مخاطب کر کے کہا۔ "اگر میں توبہ کروں تو کیا خدا مجھے معاف کردے گا۔"

واعظ نے جواب دیا۔ "یقیناً" اگر تو توبہ کرے گی تو خدا تجھے معاف فرمائے گا اگرچہ کہ تیرے گناہ شعوانہ کے برابر کیوں نہ ہوں۔"

وہ کہنے لگی۔ "اے شیخ شعوانہ میں ہی ہوں اور اب دوبارہ گناہ نہ کروں گی۔" واعظ نے اسے دوبارہ توبہ پر تاکید کی اور اسے خدا کے رحم و کرم کی امید دلائی۔

شعوانہ نے اس مکان سے نکل کر اپنے غلاموں اور کنیزوں کو آزاد

کیا- اور اپنے گزشتہ اعمال کی تلافی میں عبادت میں مصروف ہوگئی- یہاں تک کہ اس کے بدن کا گوشت پگھل گیا- اور وہ نہایت کمزور و ناتواں ہوگئی- ایک دن اس نے اپنے بدن پر نگاہ کی اور کہا- "آہ! دنیا میں اس طرح پگھل گئی ہوں- نہ معلوم آخرت میں کیا حال ہوگا-" (معراج السعادہ نراقی)

آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ زاہد و عابد اس کی مجلس و وعظ میں شرکت کرتے- موعظہ کے وقت وہ بے انتہا گریہ کرتی- حاضرین مجلس بھی اس کے ساتھ گریہ کرتے تھے- لوگوں نے ایک روز اس سے کہا- "ہمیں ڈر ہے کہ شدت گریہ سے آپ کی آنکھوں کی بصارت زائل ہوجائے گی-" اس نے جواب دیا- "دنیا میں کور ہونا روز قیامت کور ہونے سے بہتر ہے-" (ریاحین الشریعہ- ج۴- ص۳۶۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوف عذاب کے علاوہ وہ کونسی قوت ہے جو ایک معصیت کار عورت کی اس طرح اصلاح کرے؟

آج کی دنیا میں لائسنس کے ساتھ زنا کرنا آزاد ہے- چند سال قبل اخبارات میں یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ صرف جاپان میں سولہ ہزار ایسے قحبہ خانے موجود ہیں جو سرکاری اجازت کے تحت کام کر رہے ہیں- جہاں تقریباً پانچ لاکھ طوائفیں اس کاروبار میں مصروف ہیں- جبکہ چار لاکھ طوائفوں کے پاس سرکاری اجازت نامے موجود ہیں- جو عورتیں اجازت

ناموں کے بغیر یہ کاروبار کر رہی ہیں ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے- جاپان کو اس وقت سب سے بڑا یہی مسئلہ درپیش ہے....

اخبارات نے امریکا، فرانس اور جرمنی میں بھی اس سے مشابہ تعداد کا ذکر کیا ہے- (بلاهای اجتماعی قرن ما- ص۸۹-۹۳)

لیکن اسلام نے بنیادی طور پر زن و مرد کے ناجائز باہمی اختلاط کو گناہ قرار دیا ہے- زنا کلی طور پر ممنوع ہے- اجازت نامہ کا رکھنا یا نہ رکھنا زنا کے لیے جواز فراہم نہیں کرتا- اسلام نے اس سلسلے میں جسم کی صحت، شرف انسانیت، عفت عامہ خاندانی رہن سہن اور جملہ دیگر پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس عمل کو بنیادی طور پر حرام قرار دیا ہے- نیز زنا کا ارتکاب کرنے والے کے لیے دنیا میں سو تازیانوں کی سزا اور آخرت میں دردناک عذاب مقرر ہے-

❑❀❑

کتاب کا پہلا باب یہاں ختم ہوتا ہے- قارئین کی سہولت کے لیے گزشتہ گفتگو کا خلاصہ درج ذیل ہے-

۱- قانون کی مخالفت اور اس سے انحراف گناہ ہے-

۲- انسان نے جو قانون اصلاح معاشرہ کے لیے وضع کیے ہیں ان کا تعلق صرف امن عامہ کی حفاظت سے ہے- لیکن اسلام نے ان تمام

پہلوؤں کو جو انسان کی خوشحالی کے لیے جسم، روح، دنیا، آخرت، اخلاق، فضیلت، شرف، امن و آشتی اور انسانیت سے متعلق ہیں ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قانون کو وضع کیا اور اس کی مخالفت کو گناہ قرار دیا گیا۔

۳۔ اسلام نے گناہ کی نیت اور ارادہ سے بھی منع کیا ہے۔ گناہ کی روک تھام کا یہی سب سے بڑا اور بہترین طریقہ ہے، کیونکہ۔

زکوزہ برون تراودی آنچہ دراوست

گناہ کی نیت بجائے خود گناہ کے ارتکاب کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ۔

زخیر خیر تراوش نماید از شر، شر

۴۔ بعض افراد اسلام کے لیے لڑی جانے والی جنگوں میں ازراہ فضیلت شریک ہوئے اور قتل کردیئے گئے۔ لیکن چونکہ ان کی نیت باطل تھی اس لیے شہیدوں میں شامل نہیں بلکہ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ اس کے برعکس ایسے افراد بھی تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے میدان جنگ میں حاضر نہ تھے۔ لیکن چونکہ ان کی نیت پاک تھی اس لیے لشکریان اسلام کے اجر و ثواب میں برابر کے شریک تھے۔

۵۔ ہمارے علماء دین نے ان افراد کو بھی جو دوسروں کے ظلم و ستم یا نیک کردار سے راضی تھے ان کے عمل میں شریک گردانا ہے۔

۶۔ اسلام گناہ کی روک تھام کے لیے لوگوں کو صرف دنیا میں ملنے والی

سزا سے خوف نہیں دلاتا بلکہ ان کو عذاب آخرت سے ڈرا کر ان کے دل میں روز محشر کے اعتقاد کو راسخ کرتا ہے تاکہ وہ اس راستہ کو اختیار کریں جو صحیح اور ان کے حق میں بہتر ہو۔ اسلام نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ گناہوں کی سزا صرف اسی دنیا تک محدود نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ کسی نہ کسی طرح خود کو سزا سے بچا کر اپنی خلاف قانون سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔

باب دوم

بیماری یا گناہ

جب اس باب کا مسودہ تیار ہوگیا اور میں نے اسے پریس کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا تو اتفاقاً میری نگاہ خواجہ نوری کی کتاب پر پڑی جو نفسیات کے موضوع سے متعلق تھی۔ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں "مرض یا بدی" کے عنوان کے تحت وقت کے اہم ترین سائنسی اکتشافات پر گفتگو کی گئی تھی جس سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"دور حاضر میں علمی اور فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے یہ ایک ثابت شدہ امر ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں کہ ہمارے درمیان کوئی برا آدمی نہیں۔ فقط بیمار انسان موجود ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں خلقت بشر سے لے کر آج تک کوئی اکتشاف اور کوئی ایجاد بشر کی خوشحالی کے لیے اتنا زیادہ موثر نہ تھا اور نہ ہوگا۔ یعنی جس دن لوگ اس حقیقت کو پالیں گے اور معاشرہ اور اس کو چلانے والے اداروں کی بنیاد اس مسلمہ حقیقت پر استوار ہوگی، اس دن بدبختی، مصائب، مشکلات، دشمنیاں، کشمکش اور سزائیں بڑی حد تک ختم ہوجائیں گی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ جب سب اس حقیقت کو جان لیں گے کہ خساست، حسادت، کاہلی، خوف، حیلہ گری،

استحصال، مایوسی، کم روئی، بے انصافی، عیب جوئی، بے وفائی اور ان جیسے دوسرے صدیوں عیوب روحی اور نفسیاتی بیماریوں کا منطقی نتیجہ ہیں اور یہ بیماریاں بھی نزلہ، زکام، درد گلو اور بدہضمی کی مانند قابل علاج ہیں تو اس دن دو مفید اور قطعی نتائج حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ خود بیمار افراد جنہیں عمومی طور پر برا کہا جاتا ہے اس وقت کمال اشتیاق سے اپنے علاج کے لیے کوششیں کریں گے جس کے نتیجے میں مفید اور بہتر انسان بن جائیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ لوگ ایسے انسانوں کو بری یا بغض و عناد کی نگاہوں سے نہیں دیکھیں گے بلکہ ان کے لیے قابل رحم احساسات رکھتے ہوں گے۔ یہ امر وضاحت کا محتاج نہیں کہ ان دو نتائج کے درمیان زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ کیونکہ آج آپ خسیس، حاسد اور عیب جو انسان کو (جسے آپ برا انسان جانتے ہیں) نفرت و عناد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہی شخص بیمار اور مشلول ہو تو آپ میں اس کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوجائیں گے۔ یعنی اس وقت عناد جو ہر قسم کے تشدد اور اخلاقی برائی کا موجب ہے، رقت و ترحم سے بدل جائے گا جو اکثر مہربانیوں اور نیکیوں کا سبب ہے.....

میں نے پہلے بھی سنا تھا کہ یورپ سے پہلے پہل آنے والے ایک طبیب نے ایک انٹرویو کے دوران جس کا موضوع "آج کے یورپ کا علمی تحفہ" تھا، یہ بات بتلائی تھی کہ یورپ میں یہ امر تحقیق پاچکا ہے کہ گناہ

ایک قسم کی بیماری ہے۔ وہاں گنہگار کے علاج کے لیے نفسیاتی اصولوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پادری کو بیمار کے پاس لاکر اسے پند و موعظہ اور مذہبی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ یورپ میں اس قسم کے بیماروں کے لیے خصوصی مراکز قائم کیے گئے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ہم نے اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے ان مطالب کو آپ کے لیے نقل کیا تاکہ اس طرح فہم قرآن اور درک حدیث میں زیادہ آسانی ہو۔ ہاں البتہ اس موضوع کا اکتشاف واقعاً" اہم اور توجہ کے قابل ہے جبکہ خواجہ نوری اس امر کو بشر کی خوشحالی کے لیے نہایت موثر اور اہم جانتے ہیں۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم اس اکتشاف کو تحفہ کے طور پر اہل یورپ سے لے رہے ہیں حالانکہ یہ ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں۔ قرآن مجید اور ہمارے بزرگان دین نے آج سے چودہ سو سال قبل اس نکتے کو ہمارے لیے روشن کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع کے لیے ہم دوسروں کے دست نگر نہیں۔ بالکل اسی طرح ہم دوسرے علمی موضوعات کے سلسلے میں بھی بحمداللہ دوسروں کے محتاج نہیں۔ جس طرح قرآن مجید اور ہماری دینی روایات علمی اکتشافات کے سلسلے میں جملہ مکاتیب فکر پر فوقیت رکھتی ہیں اور جنہوں نے ہمیشہ قافلہ علم کی کاروان سالاری کی ہے اسی طرح اس میدان میں بھی دوسروں سے پیش پیش رہے ہیں۔ موضوع کے اثبات کے لیے درج ذیل آیات و روایات کو

پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر مکر کو بیماری سے تعبیر کیا اور ان منافقین کے متعلق جو خدا اور مومنین سے مکر کرتے ہیں، فرمایا۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا" -(سورہ بقر- آیت ۸)

"ان کے دلوں میں مرض ہے۔ خدا ان کے مرض میں مزید اضافہ کرے گا...."

قرآن نے ایک اور مقام پر بے حیائی کو بیماری کہا ہے اور ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکم دیا کہ گفتگو کرتے وقت لہجے میں نرمی اور نازکی نہ ہو تاکہ بیمار بے حیا افراد کے طمع کے اسباب فراہم نہ ہوں۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض..(سورہ احزاب- آیت ۳۳) "گفتار میں نرمی نہ رکھو تاکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ (کچھ اور) آرزو نہ کرے"۔ قرآن مجید نفاق اور منافقت کو بھی بیماری جانتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔**و اذ یقول المنافقین والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ و رسولہ الا غرورا** -(سورہ احزاب- آیت ۱۱)

"اور جس وقت منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا کہنے لگے تھے کہ خدا نے اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ بس دھوکا تھا"۔

روایات میں بھی بزرگان دین نے گناہ کو مطلق بیماری کا نام دیا جبکہ کچھ دوسرے گناہوں کو بھی خصوصی طور پر بیماری کے نام سے یاد کیا۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لا وجع اوجع للقلوب من الذنب ۔(بحار الانوار ۔ طبع جدید ۔ ج ۳ ۔ص ۳۴۲) "دلوں کے لیے کوئی درد گناہ سے بدتر نہیں"۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ **الذنوب الداء و الدواء الاستغفار و الشفاء ان لا تعود** ۔(غرر الحکم ۔ ص ۷۹)

"گناہ مرض ہیں جبکہ ان کی دوا استغفار ہے۔ اس مرض کی شفا یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے"۔ حسد کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ۔

الحسد داء عیاء لایزول الا بھلک الحاسد او موت المحسود ۔(غرر الحکم ۔ ص ۷۹)

"حسد ایک تکلیف دہ بیماری ہے جو حاسد کی نابودی یا محسود کی موت کے بغیر ختم نہیں ہوتی"۔

کینہ کے متعلق فرماتے ہیں ۔ **الحقد داء دوی و مرض موبی** ۔(غرر الحکم ۔ ص ۵۶) "کینہ ایک مہلک مرض ہے جو ہیضہ کی مانند ہے"۔ تکبر کے بارے میں فرمایا ۔

الکبر داء الی النقم فی الذنوب ۔(غرر الحکم ۔ ۵۹) "تکبر ایک

ایسا مرض ہے جو انسانوں کو گناہ کی طرف بلاتا ہے"۔

اسلام من حیث المجموع ہر شہوت کو عام طور سے مہلک بیماری جانتا ہے اور فرمایا گیا۔ **الشھوات اعلال قاتلات و افضل دوائھا اقتناء الصبر عنھا** ۔(غرر الحکم ۔ ص ۷۲) "ہر شہوت ایک مہلک مرض ہے۔ اس کی بہترین دوا اس سے اجتناب اور صبر ہے"۔

گناہ کی بیماری کا علاج

اسلام نے نہ صرف گناہ کی بیماری کے علاج کے سلسلے میں بلکہ جملہ روحی اور نفسیاتی بیماریوں کے لیے بھی بہترین اور موثر ترین علاج تجویز کیا ہے۔ مغربی دانشوروں کو اسلام کے معالجاتی اصولوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ابھی برسوں کا عرصہ درکار ہے۔

نفسیاتی علاج کے ماہر ڈاکٹر جب کسی نفسیاتی مریض کا علاج کرتے ہیں تو اس کی بیماری کی جڑ اور اسباب تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے سوالات کے ذریعے چھان پھٹک کر کے اس کے باطنی گرہوں کو کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد طے شدہ سائنسی طریقہ کار کے مطابق اس کی شخصیت اور روح کو تقویت پہنچاتے ہیں اور نفسیاتی بنیاد پر اس سے گفتگو کر کے کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی شخصیت کے مقام کو پہچانے۔ اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں کہ اس علمی اور سائنسی طریق کار کے مطابق نفسیاتی بیماریوں کا کسی حد تک علاج کیا جاسکتا ہے لیکن دوسرے

موارد کی مانند مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس میں وہ قوت موجود نہیں ہوتی جس کے ذریعے وہ باطنی احساسات کے طوفان کا مقابلہ کرسکے۔ ایسے انسان کے لیے محاورتاً" کہا جاسکتا ہے کہ اس کی مثال ایسے کمزور چراغ کی سی ہے جو خطرناک طوفانی ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ یا پھر جو اس لکڑی کے تختے کی مانند ہے جو تباہ کن سیلاب کے راستے پر پڑا ہوا ہو۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ جس میں مہینوں کی کوشش، نفسیاتی راہنمائیوں اور ماہرین کی ہدایات پر عمل کرنے کے بعد بھی جب اس نفسیاتی بیمار پر دوبارہ اسی بیماری کا حملہ ہوتا ہے تو وہ خود میں مقابلے کی ہمت نہیں پاتا اور بیمار پڑ جاتا ہے۔

اسلام نے جملہ مصائب، مشکلات اور روحی بیماریوں سے بچانے کے لیے سب سے پہلے خدا پر ایمان کی فطری بنیاد کو مستحکم کیا اور پھر سب کو اسی مضبوط جاء پناہ کی طرف ہدایت کی اور پریشانیوں اور مشکلات کے حل کے لیے اسی عظیم طاقت کا سہارا لیا۔

اسلام ایک گنہگار شخص کے علاج کے لیے جو اس بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد اپنے لیے حقارت، شکست اور پستی کا احساس کرتا ہے، سب سے پہلے اسے خدا کی پناہ میں لے جاتا ہے، خدا کے لطف و کرم کی امید دلاتا ہے۔ پھر اس کے دل میں شوق و امید کا جذبہ بیدار کرکے اسے آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے طلب مغفرت کرے۔ پھر علمی اور نفسیاتی

طریقوں سے کام لیتے ہوئے اس کے دل میں ارادہ کی وہ قوت پیدا کرتا ہے جس کے ذریعے گناہ کو ترک کرسکے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی مذکورہ حدیث "**الذنوب الداء والدواء الاستغفار والشفاء ان لا تعود**" کا گہری نگاہ سے مطالعہ ہمیں مزید وضاحتوں سے بے نیاز کردیتا ہے۔ کیونکہ علی علیہ السلام نے صراحت سے استغفار اور توسل بخدا کو گناہ کی بیماری کے علاج کے طور پر متعارف کروایا ہے اور تاکید کی کہ بیماری سے شفا اسی وقت حاصل ہوگی جب گناہ کا تکرار نہ کیا جائے۔ کوئی بعید نہیں کہ ذیل میں آنے والی یہ آیت (جس کا ترجمہ اور تفصیل بعد میں پیش کی جائے گی) بھی یہی مفہوم رکھتی ہو۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم و من یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا....

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے پیشواؤں کی نگاہ میں گناہ کی بیماری، ایمان باللہ کے راستہ سے انحراف کا نام ہے۔ اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اس جاء پناہ کی طرف دوبارہ واپس لوٹا جائے۔ اسی موضوع کو زنا، چوری اور شراب خوری جیسے گناہوں سے متعلق مختلف تعبیرات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام زنا کے متعلق فرماتے ہیں

اذا زنی الزانی خرج منہ روح الایمان و ان استغفر عاد الیہ "جب زناکار' زنا کرتا ہے تو ایمان کی روح اس کے وجود سے خارج ہوجاتی ہے- اور جب استغفار کرتا ہے تو وہ روح واپس لوٹ آتی ہے"-

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلام نے افراد کو گناہ کی بیماری سے بچانے کے لیے بچاؤ کے طریقوں پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے جو دور حاضر میں بیماری سے نجات کے لیے صحت و تندرستی کے اہم ترین اصول خیال کیے جاتے ہیں- اسلام ایک طرف اپنے پیروکاروں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے اور دوسری طرف ان اسباب کی روک تھام کرتا ہے جو گناہ میں آلودہ ہونے کا سبب بنتے ہیں- اسی لیے

○ اسلام نے گنہگار کے ساتھ ہم نشینی سے منع کیا ہے-

○ اکثر گناہوں کے سلسلے میں تاکید ہے کہ مجلس گناہ میں شرکت یا توقف نہ کیا جائے-

○ جیسا کہ باب اول میں بتایا گیا مسلمانوں کو گناہ کے متعلق سوچنے سے بھی منع کیا گیا ہے-

اگر تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب تک ان احکامات پر عمل ہوتا رہا' افراد شاذ ہی گناہ کا ارتکاب کرتے تھے- پھر وہی افراد اسلام کے پیشواؤں کے پاس آتے اور انحراف گناہ کے بعد ان

سے درخواست کرتے کہ ان پر حد جاری کی جائے تاکہ وہ گناہ کے بوجھ سے خود کو ہلکا محسوس کرسکیں-

مزید وضاحت

موضوع کی مزید وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کچھ تشریح پیش کی جائے- آج کے ماہرین نفسیات' نفسیاتی مریضوں کے علاج کے لیے ایک طے شدہ سائنسی طریق کار پر عمل کرتے ہیں اور ان کی مدد سے بیماری کے اسباب کا پتہ چلا کر اس کے علاج کی کوشش کی جاتی ہے- اس دلیل کے ثبوت میں ہم نفسیات شناسی کی اسی کتاب سے جس میں تشبیہی انداز کلام اختیار کیا گیا ہے' اقتباس کی تلخیص پیش کرتے ہیں- اس کے بعد اس سلسلے میں اسلام کی امتیازی خصوصیت پر گفتگو کریں گے-

"نفسیات شناسی کا رائج طریق کار جس کے متعلق اساتید فن سے بہت کچھ سنا اور پڑھا گیا ہے' یہ ہے کہ روحی اور نفسیاتی بیماری کی تشخیص کے لیے لازم ہے کہ ہفتہ میں کئی مرتبہ اور ہر مرتبہ ۴۵ منٹ یا اس سے کچھ زیادہ ڈاکٹر کے مہیا کیے ہوئے آرام دہ بستر پر لیٹ کر کمرے کے دروازے کو بند کرلیں اور ڈاکٹر کے سوالات کا جواب دیں- اب ذہن و فکر کی ہم آہنگی اور نفسیاتی معالج کی ہدایت کے مطابق اپنی روح کے عمیق اور تاریک سردابوں میں گام بگام آگے بڑھتے چلیں اور ان سردابوں میں اپنی جستجو کو مسلسل جاری رکھیں- جب آپ کی آنکھیں اندھیرے کی عادی

ہوجائیں گی تو وہ ان چھوٹے بڑے عفریتوں کو دیکھ سکیں گی جو سرداب کے مخفی شگافوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ وہ عفریت ہیں جن کے اختیار میں آپ کی تقدیر کا ایک حصہ موجود ہے اور جنہیں وہ آپ کے مرض کے بغیر صرف اپنی پسند کے مطابق گردش دیتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب آپ اور ان عفریتوں کے درمیان دست بدست جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن یہ جنگ زیادہ خوفناک نہیں کیونکہ عفریتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف اندھیرے ہی میں زندگی گزارتے ہیں اور وہیں سے آزار پہنچاتے ہیں۔ لیکن اگر آپ انہیں ان کی کمین گاہ سے باہر نکال کر روشنی میں رکھ دیں تو پہلے وہ تڑپیں گے پھر نیم جاں ہوجائیں گے۔ اگر انہیں اسی طرح مسلسل روشنی میں رکھا جائے تو کچھ عرصے بعد مرجائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کے مرنے پر ایک طلسم باطل ہوجائے گا۔ اور آپ اپنی تقدیر کے فیصلوں میں کسی حد تک آزاد ہوجائیں گے۔ آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ اپنی مرضی اور مصلحت کے مطابق عمل کریں۔

موضوع کی مزید وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ روحی اذیتوں کی ایک مثال کا درج بالا تشبیہات سے موازنہ کریں تاکہ تاریکی کا نکتہ بھی حل ہوجائے۔ مثال کے طور پر حسادت کو لے لیجئے۔ کم و بیش ہم سب افراد اس سے دوچار ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حسادت اگر حد سے زیادہ بڑھ جائے تو روح کو گہری اذیت میں مبتلا کردیتا ہے جس کی وجہ

سے بے انتہا تکلیف، غلطیاں اور ناانصافیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہاں اس نکتہ پر بھی توجہ مبذول رہے کہ حاسد کے اکثر اعمال اس کے اپنے ارادہ کے تابع نہیں ہوتے بلکہ وہ حسادت کے عفریت کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نفسیاتی بیماری کا معالج حسادت کا علاج کس طرح کرتا ہے؟ وہ آپ کو ایک آرام دہ تخت پر پرسکون کمرے میں لٹا کر دروازے کو بند کردیتا ہے۔ وہ خود اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ آپ کا رخ اس کی طرف نہ ہو تاکہ آپ اس کے چہرے کے اس تاثرات کو نہ دیکھ پائیں جو اس کی گفتگو سے پیدا ہوسکتا ہے۔ پھر بتدریج ایک تجربہ کار پکے دوست کی مانند آپ کو اس امر پر تیار کرتا ہے کہ آپ اپنے دل کی باتوں کو ایک ایک کرکے بیان کردیں۔ اس طرح آپ جیسے جیسے گزشتہ واقعات کو بتاتے جائیں گے اسی طرح مزید وہ واقعات بھی آپ کے ذہن میں تازہ ہوجائیں گے جنہیں آپ برسوں سے بھول چکے تھے۔ یہی وہ شئے ہے جسے تسلسل افکار کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی امر نفسیات شناسی کے تین اہم ذرائع میں سے ایک ہے۔ افکار کا تسلسل، خواب اور تصورات۔ یہی وہ تین عوامل ہیں جو آپ کو آپ کی روح کے عمیق اور تاریک سردابوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ انہی تین عوامل کی بدولت ان عفریتوں کی کمین گاہ کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو آپ کو حسادت پر ابھارتے ہیں۔ ہر بار جب آپ تسلسل افکار کی مدد سے ان عفریتوں کی کمین گاہ میں

پہنچ کر ان میں سے ایک کو باہر نکال کر روشنی میں رکھ دیتے ہیں تو ان عفریتوں کی مجموعی قوت میں ایک کی کمی ہوجاتی ہے۔ اس طرح اب وہ آپ کو پہلے کی طرح آسانی سے حسادت پر نہیں ابھار سکتے۔ نتیجتاً" آپ کا اختیار، آپ کی عمل، ارادے اور اعمال پر بڑھ جائے گا۔"

(روانکاوی۔ ص ۱۱۹۔ ۱۲۲)

یہ ہے وہ طریق کار جس کے مطابق نفسیات کے ماہرین روحی امراض میں مبتلا افراد کا علاج کرتے ہیں۔ اس طریقہ علاج میں بیمار کو موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں جستجو کرکے اپنے باطنی گرہوں کو کھول سکے۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ افراد کیا کریں جو ماہر نفسیات تک نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ہی ان کے پاس اتنا وقت ہے اور نہ ہی تعلیم اور نہ ہی ان کی مالی حیثیت انہیں اس کی اجازت دیتی ہے؟ کتاب کے مصنف نے اس مسئلے کے صرف ایک پہلو پر گفتگو کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو اشخاص ماہر نفسیات تک نہیں پہنچ سکتے یا ان کے مالی وسائل اتنے نہیں، وہ معلوم کے بغیر روزانہ اپنے گھر میں خودشناسی اور اپنی ذات میں غور و فکر کے ذریعے جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں بیان کی جاچکی، چند ساعتیں روحی ورزش کے لیے مخصوص کردیں۔ اس طریق کار پر مسلسل عمل کرکے مطلوبہ نتائج کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے پاس تعلیم ہی

نہیں یا اس کے لیے ان کے پاس وقت بھی میسر نہیں ان کے لیے کوئی راہ معین نہیں کی گئی۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ ان افراد کے لیے کیا کیا جائے جو ماہر نفسیات سے رجوع کرنے کے بعد بھی اپنی باطن کی گرہوں کو کھولنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ کیونکہ یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے کہ روحی بیماریوں میں مبتلا بعض افراد کا ماہر نفسیات سے رجوع کے بعد بھی علاج نہیں کیا جاسکا۔

یہاں ہم یورپ کے ایک سربرآوردہ خاندان کا واقعہ بیان کرتے ہیں جسے "تیرہ" کی نحوست پر پختہ عقیدہ تھا۔ اس خاندان میں ایک لڑکی مہینے کی تیرھویں تاریخ کو پیدا ہوئی۔ جب لڑکی بڑی ہوئی اور اسے معلوم ہوا کہ وہ تیرہ تاریخ کو پیدا ہوئی ہے تو وہ سخت رنجیدہ ہوئی۔ وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی جاتی اس کی پریشانی میں اضافہ ہی ہوتا رہتا۔ اب وہ ہمیشہ غمگین اور پریشان دکھائی دیتی۔ وہ معتقد تھی کہ تاریخ پیدائش کی نحوست اس کی بدقسمتی کا سبب بنے گی۔ اس کے والدین علاج کی غرض سے اسے ماہر نفسیات کے پاس لے گئے تاکہ اس طرح اسے اضطراب اور پریشانی سے نجات دلائی جاسکے۔ ماہر نفسیات نے لڑکی کے علاج کے لیے اپنا پورا زور صرف کردیا لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوسکا۔ لڑکی مسلسل اپنی بدقسمتی کا رونا روتی اور دوسروں سے اس کا تذکرہ کرتی تھی۔

لڑکی نے تعلیم سے فراغت کے بعد شادی کرلی۔ پھر اس نے ایک بچہ

کو جنم دیا لیکن ہمیشہ کڑھتی رہتی تھی۔ ایک روز وہ اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ کار میں گزر رہے تھی۔ راستے میں اسی ماہر نفسیات سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تم بلاوجہ پریشان ہو کر اپنی زندگی کو تلخ بنا رہی ہو۔ اب اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ کتنی پر مسرت زندگی گزر رہی ہو۔" عورت رونے لگی اور غصے میں کہنے لگی "ڈاکٹر صاحب! مجھے یقین ہے کہ تیرہ کی نحوست مجھے بدبخت کردے گی۔"

یا پھر اگر خود نفسیاتی ڈاکٹر کسی روحی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ اکثر روحی بیماریاں حیوانی خواہشات کے سر اٹھانے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ یہ امر ثابت شدہ حقیقت ہے کہ علم، عقل اور تربیت میں سے کوئی بھی نفسانی خواہشات کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا کیونکہ خود اطباء میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض غذاؤں کے مضر اثرات خطرناک عادتوں یا بعض کاموں میں افراط کے نتائج سے واقف ہونے کے باوجود بھی اپنی نفسانی خواہشات کو روک نہ سکے۔ اگر نفسیات کا علم بھی طب کی مانند قدیم ہوتا تو یقیناً ہمارے دعوے کے اثبات میں بے شمار مثالیں موجود ہوتیں۔

بوعلی سینا

بوعلی سینا کی علمی قابلیت بہ خصوص علم طب میں اس کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کی کتابیں طب کی

یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جنسی شہوت کی زیادتی اور عورتوں سے مقاربت میں کثرت کی وجہ سے اس کی عمر مختصر ہوگئی اور وہ ستاون سال کی عمر میں وفات پاگیا۔ حالانکہ ان اشعار کو اس کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

اقلل جماعک ما استطعت فانہ   ماء الحیات تصیب فی الارحام
واجعل غذائک کل یوم مرۃ   و احذر طعاما" قبل ھضم طعام

"جہاں تک ممکن ہو عورتوں سے کم سے کم مقاربت کرو کہ اس طرح آب حیات کو عورتوں کے رحم میں گراتے ہو۔ دن میں ایک بار غذا کھایا کرو۔ اس وقت تک غذا نہ کھاؤ جب تک پہلی غذا ہضم نہ ہو جائے"۔

ابن خلکان نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھا۔

فلم یشف مانا بہ بالشفاء   ولم ینج من موتہ بالنجاۃ

یعنی "نہ تم کو کتاب شفا اس کے علاج میں سودمند رہی اور نہ ہی کتاب نجات نے اسے موت سے نجات دی۔" (کتاب شفا اور کتاب نجات بوعلی سینا کی دو اہم کتابیں ہیں۔) (نامہ دانشوران۔ ج ا۔ ص۱۲۹)

ایک استاد نے اپنے دوست کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک رات مجھے ایک ایسی میڈیکل کانفرنس میں مدعو کیا گیا جہاں ایک طبیب کو الکحل کے مشروبات کے مضر اثرات پر تقریر کرنا تھی۔ چونکہ میں کانفرنس کے عنوان سے باخبر تھا اور کسی حد تک شراب کے مضر اثرات

سے بھی واقفیت رکھتا تھا اس لیے مجھے طبیب کی تقریر پسند آئی۔ طبیب نے عنوان کا حق ادا کردیا تھا۔ اس نے دلائل و براہین کے ساتھ اس کے نقصانات اور خطرناک اثرات پر گفتگو کی تھی۔ مجھے اس کی تقریر اسقدر پسند آئی کہ میرا دل چاہا کہ اس کے پاس جاکر اس کا شکریہ ادا کروں۔ لیکن مجھے ایسا کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور میں نے اس کام کو آئندہ پر رکھ چھوڑا۔

ایک رات میں اتفاقاً تہران کی ایک بڑی سڑک سے گزر رہا تھا۔ دور سے میری نگاہ اسی طبیب پر پڑی۔ فوراً ہی اس رات کی تقریر میرے ذہن میں تازہ ہوگئی۔ میں اس کے پاس گیا تاکہ اس رات کی تقریر پر اس کا شکریہ ادا کروں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جیسے ہی میں اس کے پاس گیا اس کے منھ سے شراب کی تیز بو آرہی تھی جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ میں نے اس سے چند ہی جملے گفتگو کی تھی کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ شراب کی کثرت استعمال کی وجہ سے وہ بے خود ہو رہا تھا۔

ہمارے معاشرے میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۳۔ ممکن ہے یہ احکام روحی بیماریوں کے علاج کے لیے کسی حد تک مفید ثابت ہوں۔ لیکن جہاں تک گزشتہ اعمال کا تعلق ہے یعنی کسی کو قتل

کرنے، ناقابل تلافی مالی نقصان پہنچانے یا کسی کی ناموس پر حملہ کرنے کی وجہ سے یہ بیماری عارض ہوئی ہو تو اس طریقہ علاج کا اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ ہمارا اصل بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ گنہگاروں اور روحی طور پر بیمار افراد کا علاج کیا جائے۔ علاج کے ذریعے ان کو اس مایوسی اور ناامیدی کی کیفیت سے نکالا جاتا ہے جو گزشتہ اعمال کی وجہ سے لاحق ہوئے۔ وگرنہ دوسری صورت میں ان کے مستقبل کا علاج کرنا نہایت آسان ہے۔

فرض کیجئے کسی نے قتل کیا اور اس طرح ایک خاندان کو اس کے سرپرست سے محروم کردیا۔ ایسا شخص چاہے سزا پائے یا نہ پائے۔ ہمیشہ ذہنی اور روحی طور پر اذیت میں رہے گا اور خود کو ایک مجرم اور فضائل سے عاری انسان سمجھے گا۔ نیز اپنی باقی عمر کرب و اذیت میں بسر کرے گا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اگر گنہگار کو اپنے گناہوں کے بخشش کی کوئی امید نہ ہو اور وہ بالکل مایوس ہوجائے تو معاشرہ کے لیے انتہائی خطرناک عنصر ثابت ہوگا۔ مزید گناہ کے لیے اس کی جرات میں اضافہ ہوگا اور اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ روحی پریشانی اور مایوسی ایسے لوگوں کو دیوانہ بنادیتی ہے۔

{۱۔ محمد بن شہاب زہری اہل سنت کا ایک عظیم محدث ہے۔ اس نے ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے امام سجاد اور امام محمد باقر علیہم السلام سے احادیث روایت کی ہیں۔ سیوطی کے مطابق وہ پہلا شخص ہے

جس نے علم حدیث کی تدوین کی۔ جیسا کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ وہ تقریباً پچاس سال تک بنی امیہ کی طرف سے حجاز اور عراق کے مختلف شہروں میں گورنر کی حیثیت سے تعینات رہا۔ آخر میں ہشام نے اسے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے استاد مقرر کیا۔

علامہ اربلی اپنی کتاب کشف الغمہ (ج۲۔ ص۳۱۷) میں اس کے حالات کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔ اس نے، جس زمانے میں بنی امیہ کے لیے کام کر رہا تھا، ایک شخص کو بے گناہ قتل کردیا۔ یہی امر اس کی پریشانی کا سبب بن گیا۔ وہ بیابان کی طرف نکل پڑا اور ایک غار کو اپنا مسکن بنالیا۔ اس پر بتدریج جنون کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بڑھ گئے۔ وہ اسی کیفیت میں تھا کہ امام سجاد علیہ السلام حج سے مشرف ہوئے۔ مکہ میں لوگوں نے زھری کے واقعہ کو امام سے بیان کیا۔ امام سے درخواست کی گئی کہ اس کے علاج کے لیے کوئی بندوبست فرمائیں۔ امام علیہ السلام زھری سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا۔ **انی اخاف علیک من قنوطک ما لا اخاف علیک من ذنبک** "مجھے اس گناہ سے زیادہ جو تم نے ارتکاب کیا، تمہاری مایوسی اور ناامیدی سے خوف ہے"۔ **فابعث بدیتہ مسلمتہ الی اھلہ و اخرج الی اھلک و معالم دینک**۔ "مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرو۔ اپنے گھربار کو واپس لوٹ جاؤ اور دین

کے احکام سے واقفیت حاصل کرو"۔

امام کے الفاظ نے گویا زھری کے بدن میں تازہ روح پھونک دی۔ سر کو اٹھا کر کہا۔ **فرجت عنی یا سیدی واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** "اے میرے سرور و سردار، آپ نے میری پریشانی دور کردی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس خانوادہ میں قرار دے"۔

ابن شہر آشوب مناقب میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کے بعد وہ امام سجاد علیہ السلام کے اصحاب میں شامل ہوگیا۔}

ایسی صورت میں کیا علمی راہیں ایسے شخص کے گزشتہ اضطراب و بے چینی کو دور کر سکتی ہیں؟ یقیناً نہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی علمی راہنمائیاں ہر جگہ اور ہر روحی بیماری کے لیے قابل عمل نہیں۔ ہم اس سے زیادہ اس باب کی تفصیلات میں نہیں جائیں گے۔ اگر آپ خود ان گناہوں اور بیماریوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان احکامات سے ہر جگہ استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

اب جبکہ نفسیاتی ڈاکٹروں کے طریق علاج اور اس کی خامیوں کی نشاندہی کی جاچکی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلے میں اسلام کے احکامات کا بھی مطالعہ کریں کہ اسلام ایک بیمار، گنہگار اور نفسیاتی مریض کا علاج کس طرح کرتا ہے۔ نیز وہ کونسا طریقہ ہے جس کے مطابق اس کی

موجودہ اور آئندہ پریشانیوں کو حل کر کے اسے معاشرے کے لیے ایک مفید انسان بناتا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا اسلام نے پہلے مرحلے پر افراد کے جملہ اعمال کو "خدا پر ایمان" کی بنیاد پر استوار کیا۔ ایمان باللہ اور روز قیامت پر اعتقاد کو اعمال کی قبولیت کی شرط قرار دی اور اس مضبوط قلعہ کو مزید مستحکم کر کے اپنے پیروکاروں کو ہر مشکل میں اسی جاء پناہ کی طرف ہدایت کی۔ یہی وہ عظیم طاقت ہے جو ہر مشکل اور پریشانی کو خود بخود دور کرتی ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے۔

الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔(سورہ رعد۔ آیت ۲۸)

"وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ان کے دل ذکر خدا سے اطمینان پاتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب کو ذکر خدا ہی سے اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔

مفسرین کے مطابق "**و تطمئن القلوب**" کے الفاظ "**الذین امنو**" کے لیے عطف تفسیری ہیں۔ یعنی ایمان باللہ، اطمینان قلب کے لیے لازمی امر ہے۔ البتہ اسلام مرض گناہ اور روحی بیماریوں کے علاج کے لیے اسی نفسیاتی اور شخصیت میں جستجو کے طریق کار سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ "**من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**" جیسی حدیث یا پھر "**تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ**" یا "**سبعین سنۃ**" کی مانند احادیث اسی معنی پر دلالت کرتی ہوں۔ لیکن بنیادی امر

وہی ایمان باللہ ہے جس کے ذریعے ہر مقام اور ہر ماحول میں اس بیماری کو روکا یا اس کا مداوا کیا جا سکتا ہے۔

اسلام ابتدا امر میں گنہگار کو حالت مایوسی اور ناامیدی سے نکالنے کے لیے اسے رحمت خدا اور گناہوں کی بخشش کی امید دلاتا ہے۔ رب جلیل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم تقنطوا من رحمت اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" ۔(سورہ زمر۔ آیت ۵۳)

"(اے رسول) کہدو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بے شک خدا کل گناہوں کو بخش دے گا"۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنے نور نظر سے فرماتے ہیں۔ **و ارج اللہ رجاء ا" انک لو اتیتہ بسیئات اھل الارض غفر ھالک**۔(مجموعہ ورام۔ ج۱۔ص ۵۰) "خدا سے اس طرح امید رکھو کہ اگر تم اہل زمین کے کل گناہوں کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ تمہیں بخش دے گا"۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عظیم مغربی دانشور "ہنری باروک" اس قسم کے نفسیاتی طریق علاج کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"انسان کے لیے روحی اور نفسیاتی اذیتیں انتہائی تکلیف دہ ہیں جو کبھی کبھی ندامت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس صورتحال کو غلطی کی تلافی اور فدیہ کے بغیر نہیں بدلا جاسکتا۔ یہی سبب ہے کہ مختلف ادیان میں گناہوں کی بخشش کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔"

(بیماری ھای روحی و عصبی۔ ص ۶۶)

اسلام ایسے شخص کو پہلے مایوسی اور پریشانی سے نجات دلاتا ہے۔ پھر اس بیماری کے علاج کے طور پر اسے خدائے برتر و یگانہ سے رجوع اور استغفار کا راستہ دکھاتا ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی حدیث سے ظاہر ہے کہ اسلام بیمار کی شفا کے لیے تاکید کرتا ہے کہ دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے۔

عمل کی منزل پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کا گنہگاروں سے سلوک یہ تھا کہ پہلے ان کے عمل سے نفرت کا اظہار فرماتے۔ پھر انہیں پروردگار عالم کی رحمت کا طلبگار بناتے۔ ہم آیندہ صفحات میں اس دلیل کے اثبات میں مثالیں بھی پیش کریں گے۔

اب تک جو کچھ لکھا جاچکا وہ گنہگار کے ماضی سے متعلق ہے۔ لیکن اس کے آیندہ کے گناہوں سے روک تھام اور اس کی موجودہ بیماری گناہ کے علاج کے لیے بھی ایمان باللہ کی قوت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ ساتھ ساتھ علمی، سائنسی اور مفید روحانی مشوروں سے بھی مدد

حاصل کی گئی ہے۔

مثلاً اسلام نے حسد کی بیماری کے علاج کے لیے، علمی طریق کار کو اپنانے کے علاوہ اس کے روحانی اور جسمانی نقصانات کو بھی واضح کیا۔ نیز اس کے علاج کے لیے افراد کی ایمانی طاقت سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اب حسد کے روحانی اور جسمانی نقصانات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل فرمودات پر توجہ فرمائیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔ **اقل الناس لذۃ الحسود**۔ (معانی الاخبار۔ ص ۱۹۵) "اگر زندگی کو لذت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حاسد کی زندگی کی لذت دوسرے تمام افراد سے کمتر ہے"۔

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **الحسد یذھب الجسد**۔ (غرر الحکم۔ ص ۳۲) "حسد جسم کو پگھلا دیتی ہے"۔

الحسد یفنی الجسد۔ (غرر الحکم۔ ص ۳۳) "حسد بدن کو فنا کردیتی ہے"۔

اب حسد کو ایمان کی نقطہ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الحسد یا کل الایمان کما یا کل النار الحطب۔ (اصول کافی۔ ج ۳۔ ص ۴۱۶)

"حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی

کو"۔

قرآن مجید اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے گناہ کی بیماریوں اور روحی امراض کے خلاف جنگ کے لیے ان دو طاقتوں سے استفادہ کیا ہے۔ یہی امر ہماری مذہبی تعلیمات کا سبب امتیاز ہے جس پر بدقسمتی سے کم توجہ دی گئی ہے۔ ہم توفیقات الٰہی کے ساتھ آنے والے موضوعات کے تحت گناہ کے خلاف جہاد اور اس کے طریقوں پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ اس موقع پر ہم صرف اسی حد تک اکتفا کرتے ہوئے آپ کی توجہ کو اس امر پر مبذول کریں گے کہ بزرگان دین نے گناہ کی بیماری کے متعلق کیا کچھ فرمایا ہے۔

ذیل میں بزرگان دین کے چند فرمودات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

کان اخر ما اوصی بہ الخضر موسی بن العمران علیہ السلام ان قال لہ لا تعیرن احدا" بذنب -(بحار الانوار - ج۷۳ -ص۳۸۶) حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو اپنی آخری وصیت میں فرمایا۔ کبھی کسی کو اس کے گناہ پر ملامت نہ کرو۔

دوسری حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام جناب موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت سے متعلق فرماتے ہیں۔

لا تعیرن احدا" بخطیئتہ ......(بحار الانوار -ج۷۳ -ص۳۸۷) "کسی کو اس کی خطا پر سرزنش نہ کرو"۔

امام الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **اذا وقع بینک و بین اخیک ھنتہ" فلا تعیرہ بذنب** -(مستدرک - ج۲ -ص۱۰۵)

"جب کبھی تمہارے اور تمہارے دوسرے مسلمان بھائی کے درمیان رنجش پیدا ہو تو اسے اس کے گناہ پر ملامت نہ کرو"۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ **اذا زنت خادم احدکم فلیجدھا الحد ولا یعیرھا** -(مجموعہ ورام - ج۱ -ص۵۷)

"اگر تمہاری خدمت پر مامور کوئی عورت زنا کرے تو لازم ہے کہ حاکم شرع اس پر حد جاری کرے (یعنی اس کو سزا دینے کے لیے قانونی تقاضے پورے کیے جائیں) لیکن اسے ملامت نہ کرو"۔

بالخصوص اگر ملامت مکرر طور پر منظرعام پر عمل میں آئے تو ملزم میں ردعمل اور انتقامی جذبات پیدا ہوں گے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ مزید بڑے گناہوں کا ارتکاب کرے۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

الافراط فی الملامتہ تشب نیران اللجاج -(تحف العقول -ص ۸) "ملامت میں افراط ڈھٹائی کی آگ کو مشتعل کردیتی ہے"۔ دوسری حدیث میں فرمایا گیا۔

ایاک ان تکرر العتب فان ذلک یغری بالذنب و یھون بالعتب۔(غرر الحکم۔ ص ۲۷۸) "سرزنش کی تکرار سے بچو کہ گناہ میں ڈھٹائی اور ملامت کے بے اثر ہونے کا موجب ہے"۔

غلط فہمی سے بچئے

بہت ممکن ہے کہ اس بیان سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ گنہگار کو ملامت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کرلیا جائے۔ جبکہ سکوت گنہگار کے لیے گناہ پر مزید ہمت افزائی کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ یہ امر گناہ میں تعاون کے زمرے میں داخل ہے۔

اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں پر واجب کرنے کے ساتھ، گنہگار کی تنبیہہ اور ہدایت کے لیے بھی واضح دستور العمل دیا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام نے حکم دیا ہے کہ گنہگار کے ساتھ رفاقت نہ رکھو یا پھر اپنے پیروکاروں کو آمادہ کرتا ہے کہ گنہگاروں سے ترش روئی اور بے اعتنائی برت کر ان کے عمل سے نفرت کا اظہار کریں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام، جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں۔

قال امیر المومنین علیہ السلام لا ینبغی للمرء المسلم ان یواخی الفاجر فانہ یزین لہ فعلہ و یحب ان یکون مثلہ

ولا یعینہ علی امر دنیاہ ولا امر معادہ و مدخلہ و مخرجہ من عندہ شین علیہ۔ (وسایل الشیعہ۔ ج۲۔ص۲۶۹۔۲۷۰)

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ایک مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ گنہگاروں کے ساتھ رفاقت رکھے کیونکہ وہ اپنے برے عمل کو تعریف کے طور پر بیان کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے بھی اپنی مانند بنالے۔ اس طرح وہ دنیا کے کاموں میں اور نہ ہی آخرت کے کاموں میں اس کی مدد کرتا ہے۔ گنہگار شخص کے پاس آنا جانا اس کے لیے ننگ و رسوائی کا سبب ہے۔

گنہگار کے ساتھ ہم نشینی نہ کرو

امام سجاد علیہ السلام، اپنے فرزند محمد باقر علیہ السلام کو نصیحت کرتے ہیں کہ پانچ گروہ سے رفاقت نہ رکھو۔ جن میں فاسق اور گنہگار بھی شامل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

و ایاک و مصاحبۃ الفاسق فانہ بایعک باکلۃ واقل من ذلک۔(اصول کافی مترجم۔ ج۴۔ص۸۶) "فاسق کی رفاقت سے بچو کہ وہ تمہیں ایک لقمہ یا اس سے کمتر میں بیچ دے گا"۔ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لاتصحب الشریر فان طبعک یسرق من طبعہ شرا" و انت لا تعلم - (شرح ابن ابی الحدید - ج ۴ - ص ۵۳۸)

"شریر اور مفسد افراد سے دوستی نہ رکھو کہ تمہاری طبیعت ناآگاہانہ طور پر بدی کو اس سے چرا لے گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی"۔

جس طرح بیمار کے ساتھ معاشرت' بیماری کے پھیلنے کا سبب بنتی ہے اور اطباء نے بیماروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی ایک وبائی مرض ہے۔ اس روایت میں امام کا مقصد اس امر کو واضح کرنا تھا کہ گناہ ایک خطرناک پھیلنے والی بیماری ہے جو بیماروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے اس طرح تم میں سرایت کرے گی کہ تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔

حضرت امام جواد علیہ السلام نے فرمایا۔ ایاک و مصاحبۃ الشریر فانہ کالسیف المسلول یحسن منظرہ و یقبح اثرہ - (بحار - ج ۷۴ - ص ۱۹۸) "مفسد آدمی کی رفاقت سے پرہیز کرو کہ وہ ایک لٹکی ہوئی تلوار کی مانند ہے بظاہر دیکھنے میں خوبصورت مگر اس کا اثر برا ہوتا ہے"۔

گنہگار سے سلوک کیسا ہو؟

گنہگاروں سے سلوک اور ان سے ترش روئی سے متعلق امام الصادق علیہ السلام' جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان نلقی اهل المعاصی بوجوہ مکفھرۃ - (کافی - ج ۵ - ص ۵۸-۵۹)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ گنہگاروں سے ترش روئی سے سلوک کریں"۔ ایک دوسری حدیث میں معصوم سے روایت ہے کہ فرمایا۔

ادنی الانکار ان یلقی اهل المعاصی بوجوہ مکفھرۃ - (تہذیب - ج ۶ - ص ۱۷۶) "انکار گناہ (نہی عن المنکر) کی کمترین حد یہ ہے کہ گنہگاروں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آؤ"۔

و قال عیسی علیہ السلام تحببوا الی اللہ ببغض اهل المعاصی' وتقربوا الی اللہ بالتباعد عنهم والتمسوا رضا اللہ بسخطهم - (جامع السعادات - ج ۳ - ص ۱۸۷)

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا گنہگاروں سے تنفر اور بغض کے ذریعے خدا کی محبت کو اپنی طرف دعوت دو۔ ان سے دوری اختیار کر کے خدا کا تقرب حاصل کرو۔ خدا کی خوشنودی کو ان کی ناراضگی میں تلاش کرو"۔

بزرگان اسلام نے گنہگاروں اور فاسد افراد کی ہم نشینی سے منع کیا ہے۔ نیز اپنے پیروکاروں کو مختلف انداز سے ان سے میل جول رکھنے کی ممانعت کی ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر

فرماتے ہیں

المرء علی دین خلیلہ و قرینہ "انسان اپنے دوست اور ساتھی کے راستے پر چلتا ہے"۔

ایک اور روایت میں امیر المومنین علیہ السلام حارث ہمدانی کو نصیحت فرماتے ہیں۔**ایاک و مصاحبۃ الفساق فان الشر بالشر ملحق** "برے افراد کی دوستی اور رفاقت سے پرہیز کرو کہ بدی' بدی ہی کے ساتھ ملحق ہوتی ہے"۔

اس قصے پر توجہ فرمائیں

جعفری کہتا ہے حضرت ابوالحسن علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا "میں یہ کیوں دیکھ رہا ہوں کہ تو عبداللہ بن یعقوب کے پاس ہے؟" (جعفری کہتا ہے) میں نے جواب دیا "اس لیے کہ وہ میرا ماموں ہے۔" حضرت نے فرمایا "وہ خدا کے بارے میں سخت ناشائستہ باتیں کرتا ہے۔ جسم و جسمانیت کی بنیاد پر خدا کے اوصاف بیان کرتا ہے۔پس یا اس کی ہم نشینی اختیار کر اور ہم سے کنارہ کشی کرلے یا پھر ہمارے ساتھ رہ کر اس سے دوری کر۔" میں نے عرض کی "وہ جو کچھ چاہے کہے جب تک میں اس کے قول میں شریک نہ ہوں میرا کیا نقصان ہے۔" امام نے فرمایا "کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس پر خدا کا عذاب نازل ہو جو تم دونوں کو گھیرے؟ کیا تم نے اس شخص کا واقعہ نہیں سنا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کا دوست تھا جبکہ اس کا باپ فرعون کا طرفدار۔ جب فرعون کا لشکر دریا کے کنارے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں تک پہنچا تو وہ شخص اپنے باپ کو نصیحت کرنے کے خیال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس طرح وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملحق ہوجائے گا۔ اس کا باپ فرعون کے لشکر میں چلا جارہا تھا اور یہ شخص اس سے اپنے مذہب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں دریا کے کنارے پہنچے۔ جیسے ہی فرعون کا لشکر پانی میں غرق ہوا۔ یہ دونوں بھی ایک ساتھ غرق ہوگئے۔ جب یہ خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے فرمایا "وہ رحمت خدا میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ عذاب کے نزول کے وقت وہ گنہگار کے نزدیک تھا اس لیے اسے بچایا نہ جاسکا۔" (کافی مترجم۔ ج۴۔ ص۸۲)

امیر المومنین علیہ السلام' اپنے فرزند امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ **و ایاک و مواطن التھمۃ و المجلس المظنون بہ السوء کان قریب السوء یغر جلیسہ**

"بدنام اور مشکوک مجالس میں شرکت سے پرہیز کرو۔ کیونکہ برا ساتھی اپنے دوست کو دھوکا دیتا ہے (اور اسے برے کاموں کی طرف مائل کرتا ہے۔)

ان مباحث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین نے گناہ اور گنہگار کے

خلاف جنگ کے لیے صحیح ترین راستوں کا انتخاب کیا ہے۔ اگر انہوں نے گنہگار اور اس کے گناہوں کی ملامت کو خاص طور سے دوسروں کی موجودگی میں منع کیا ہے تو اس لیے کہ اس طرح گنہگار کو منع کرنے سے معکوس نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور گنہگار مزید دیدہ دلیری سے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر روایات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام سلسلہ روایت میں ارشاد فرماتے ہیں "فان ذالک یغری بالذنب و یہون بالعتب" "ملامت گناہ میں دیدہ دلیری اور ملامت کو بے اثر کرنے کا سبب بنتا ہے"۔

آج کے دور میں جوانوں اور بچوں کی تربیت کا صحیح طریقہ بھی یہ ہے کہ نصیحت کے ذریعے ان کی تربیت کی جائے اور ان کی غلطیوں پر انہیں شرمندہ نہ کیا جائے۔

اسکول میں طالب علم کی غلطی پر اس کی سرزنش یا ملامت کرنا تربیت کا ایک غلط طریقہ ہے جس کے ناخوشگوار نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ نیز اس سے بڑھ کر مزید غلطی یہ ہے کہ اس کی ملامت میں تکرار کی جائے۔ یہ عمل ایک طرف تو سرزنش کے نفسیاتی اور کیفری اثرات کو زایل کرتا ہے اور دوسری طرف ملامت ہونے والے شخص کو ڈھٹائی اور انتقام جوئی پر ابھارتا ہے۔

جس طالب علم کو اس کے ساتھیوں کے سامنے ملامت کی جائے اس

کی شخصیت کا بھرم ختم ہوجاتا ہے اور جس جوان کے دامن پر گناہ اور بدنامی کا داغ ہو۔ اگر اسے سب لوگ خیانت کار اور ناپاک تصور کریں تو ہر رسوائی کا خوف اس کے دل سے مٹ جائے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی توہین کا انتقام لینے اور اپنے وجود کا احساس دلانے کے لیے مزید بڑے گناہوں کا ارتکاب کرے۔ اس طرح اس کا یہ عمل ملامت کے مقابلے پر ردعمل کا اظہار ہوگا۔(جوان۔ج۲ص۲۸۴)

عملاً دیکھا گیا ہے کہ اسلام کے پیشواؤں نے گنہگاروں کی اصلاح اور گناہ کے خلاف جنگ کے لیے ان کو مغفرت کی امید دلائی ہے اور ساتھ ساتھ ان سے ترک تعلق کا بھی حکم دیا ہے لیکن انہیں ان کے گناہوں پر شرمندہ نہیں کیا۔

جنگ سے فرار اختیار کرنے والوں سے پیغمبر کا سلوک

۹ ہجری میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ جزیرۃ العرب کے شمال میں بسنے والے قبایل کے ایک گروہ نے شہنشاہ روم سے معاہدہ کیا اور وہ اب مدینہ پر حملے کا قصد رکھتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے فوراً مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور تیس ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ جس میں پیادے اور سوار، سبھی شامل تھے، تبوک کی طرف کوچ کر گئے۔ منافقوں کے ایک گروہ نے مختلف حیلے بہانوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ جانے سے اجتناب کیا۔ ان میں سے تین افراد کعب بن مالک، مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ

اپنی کاہلی کی وجہ سے تبوک نہ گئے۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے تو یہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس آکر معذرت کرنے لگے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ کوئی بھی ان سے بات نہ کرے۔ مسلمانوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاسی میں ان افراد سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے چھوٹے بچوں نے بھی ان سے دوری اختیار کی اور ان سے کلام نہیں کرتے تھے۔

جب ان کی بیویوں نے یہ صورتحال دیکھی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں "کیا ہم بھی ان سے دوری اختیار کریں؟" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! ایسا نہ کرو لیکن خیال رہے کہ وہ تم سے نزدیک ہونے نہ پائیں۔"

حالت یہاں تک پہنچی کہ شہر مدینہ ان پر تنگ ہوگیا۔ تینوں شہر کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ ان کی بیویاں روزانہ ان کے لیے کھانا لے جاتیں لیکن ان سے گفتگو کیے بغیر کھانا رکھ کر واپس چلی آتیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ تینوں آپس میں کہنے لگے "لوگوں نے ہم سے قطع تعلق کرلیا ہے اور ہم سے بات نہیں کرتے۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم بھی ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں۔" لہٰذا تینوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس طرح پچاس دن گزر گئے۔ وہ اس دوران اپنے توبہ کی قبولیت کے لیے خدا

کی بارگاہ میں آہ و زاری کرتے۔ یہاں تک کہ خدا نے ان کی توبہ قبول کی اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی **و علی الثلاثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض.....**(سورہ توبہ۔ آیت ۱۱۸)

گنہگار نوجوان سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک

شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ اپنی امالی میں، عبدالرحمان بن غنم دوسی سے روایت کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل روتے ہوئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ حضرت نے جواب سلام دیا اور فرمانے لگے۔ "تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟"

معاذ نے جواب دیا "یا رسول اللہ! ایک وجیہہ اور خوبصورت نوجوان دروازے پر کھڑا اس عورت کی طرح گریہ کر رہا ہے جس کا بچہ مر چکا ہو۔ وہ آپ کی خدمت میں شرف باریابی چاہتا ہے۔" جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی۔ معاذ اس جوان کو ساتھ لے کر بیت الشرف میں داخل ہوا۔ جوان نے سلام کیا۔ آنحضرتؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ "اے جوان! کیوں گریہ کر رہا ہے؟" جوان نے عرض کی۔ "میں کیونکر گریہ نہ کروں کہ میں نے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے کہ خداوند عالم کی طرف سے ان میں سے چند ہی کا مواخذہ مجھے جہنم میں بھیجنے کے لیے کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی مجھ سے

مواخذہ کرے گا اور ہرگز مجھے معاف نہ کرے گا۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -- کیا خدا کی نسبت مشرک ہوگئے ہو؟

جوان -- میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی شئے کو خدا کا شریک قرار دوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -- کیا تم نے کسی کو قتل کیا ہے؟

جوان -- نہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -- تو پھر خدا تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا گرچہ پہاڑوں کی مانند بلند و بڑے ہوں۔

جوان -- میرا گناہ پہاڑوں سے بھی بڑے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-- خدا تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا گرچہ سات زمینوں، سمندروں، سنگریزوں، اشجار اور کل مخلوقات کے برابر ہوں۔

جوان -- میرا گناہ ان سب سے زیادہ ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -- خدا تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا گرچہ آسمانوں، ستاروں، عرش اور کرسی کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ جوان -- میرا گناہ ان سے بھی بلند بڑا ہے۔

اس پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوئے اور فرمایا۔ "وائے ہو تجھ پر اے جوان۔ تیرے گناہ زیادہ بڑے ہیں یا تیرا پروردگار؟"

نوجوان نے اپنے رخساروں کو خاک پر رکھ کر کہا۔ "میرا پروردگار

عظیم ہے کہ کوئی شئے اس سے بزرگ تر نہیں۔ میرا پروردگار سب سے زیادہ بزرگ ہے۔" جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا بڑے گناہوں کو خدا کے علاوہ بھی کوئی معاف کرے گا؟" جوان نے جواب دیا۔ "نہیں! بخدا نہیں۔" پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "وائے ہو تجھ پر اے جوان۔ کیا ان گناہوں میں سے کسی ایک کی تفصیل بیان کرو گے؟"

جوان نے اپنی سرگزشت یوں بیان کی۔ میری عمر سات سال تھی۔ اس وقت سے میں قبروں کو کھود کر مردوں کے تن سے کفن نکال لیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں سے ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ جب اسے دفنا دیا گیا اور لوگ قبر کے پاس سے چلے گئے تو شب کی تاریکی میں، میں نے قبرستان جاکر اس کی قبر کو کھودا۔ اس کی لاش باہر نکالی۔ کفن کو اس کے بدن سے الگ کیا اور اسے برہنہ کرکے قبر میں ڈال دیا۔ جب میں واپس لوٹ رہا تھا تو شیطان میرے پاس آیا اور لڑکی کا بدن چشم تصور میں میرے سامنے لایا۔ لڑکی کا برہنہ اور ہوس انگیز بدن میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں وسوسہ شیطان سے مجبور ہو کر واپس آیا اور اس سے زنا کیا۔ پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ایسے میں، میں نے اپنی پشت کی طرف سے ایک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ وائے ہو تجھ پر اے جوان، روز جزا سے، جس دن مجھے اور تجھے دونوں کو محشور کیا جائے گا۔ وائے ہو تجھ پر کہ تو نے مجھے قبر سے نکال کر مردوں کے درمیان برہنہ چھوڑ دیا۔ میرا کفن مجھ سے چھین

لیا اور مجھے جنابت کی حالت میں قرار دیا۔

اس کے بعد نوجوان نے کہا۔ "ان حالات میں' میں فکر و گمان میں بھی بہشت کی بو تک نہ پاسکوں گا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! میرے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اس موقع پر نوجوان کو توبہ کی ضرورت کا احساس دلانے اور خدا کی طرف رجوع پر مایل کرنے کے لیے ایک جملہ فرمایا جس کی وجہ سے نوجوان نے ارادہ کیا کہ شہر مدینہ کو چھوڑ کر پہاڑوں کی راہ لے اور توبہ میں مصروف ہوجائے۔

نوجوان جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا اور بازار جاکر اپنے لیے کچھ سامان مہیا کیا اور مدینہ کے اطراف میں واقع پہاڑ پر چلا گیا۔ وہاں جاکر ایک اونی کپڑا پہنا۔ اپنے ہاتھوں کو پس گردن پر باندھ لیا اور کہتا تھا۔ "پروردگارا! تیرا یہ بندہ بہلول ہے جو گردن پر ہاتھ باندھے تیرے سامنے حاضر ہے۔ خداوندا! تو مجھے پہچانتا ہے' میرے گناہ سے واقف ہے۔ میں اپنے کیے پر نادم ہوں۔ میں توبہ کے خیال سے تیرے رسولؐ کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے آپ سے دور کردیا جس سے میرے خوف میں مزید اضافہ ہوا۔ پروردگارا! تجھے تیرے جلال' عظمت اور سلطنت کی قسم! میری امید کو ناامید نہ کر۔ میری دعا کو رائیگاں نہ جانے دے اور مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ کر۔"

اس طرح آہ و فریاد کرتے چالیس رات دن گزر گئے۔ یہاں تک کہ درندے اور وحشی جانور بھی اس کے حال پر روتے۔ چالیس دن کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور کہا۔ "خداوندا! تو نے میری حاجت کے لیے کیا کیا؟ اگر تو نے میری دعا قبول اور میرے گناہ کی بخشش کردی ہے تو اپنے پیغمبرؐ کو اس کی خبر دے (تاکہ وہ مجھے آگاہ کریں) اور اگر تو نے میری دعا قبول نہیں کی' میرے گناہ کو معاف نہ کیا اور میری عقوبت کا ارادہ رکھتا ہے تو ایک آگ نازل کرکے مجھے جلادے یا دنیا میں کسی مصیبت میں مبتلا کردے تاکہ میں روز قیامت کی رسوائی سے بچ سکوں۔"

ایسے میں خداوند عالم نے اپنے محبوب پیغمبرؐ پر یہ آیت نازل کی **والذین اذا فعلوا فاحشۃ"** ..... (وہ لوگ جنہوں نے کھلی برائی کی ..... یعنی زنا کیا) **او ظلموا انفسھم** ...... (اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا) یعنی قبر کھود کر کفن چرا لیا **ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم** ...... (خدا کا ذکر کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی) یعنی خدا سے خوف زدہ ہوکر جلد ہی توبہ کرلی **و من یغفر الذنوب الا اللہ** (کون ہے گناہوں کا بخشنے والا سوائے خدا کے) خدا فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میرا بندہ توبہ کے لیے تیرے پاس آیا اور تم نے اسے باہر نکال دیا۔ پس وہ کہاں جائے۔ میرے علاوہ کون ہے جو اس کے گناہوں کو معاف کرے؟ **ولم یصروا علی ما فعلوا و ھم یعلمون** (میں

آج کے بعد جو کچھ انہوں نے عمل کیا ہے جان بوجھ کر اس پر اصرار نہ کریں) یعنی زنا، قبر کا کھودنا اور کفن کے چرانے سے باز آجائیں۔

اولئک جزاوھم مغفرۃ من ربھم و جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا و نعم اج العاملین -(سورہ آل عمران - آیت ۱۳۵ - ۱۳۶) "ایسے ہی لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے- اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں- وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے- اچھا عمل کرنے والوں کا کیا خوب صلہ ہے"-

جیسے ہی یہ آیت نازل ہوئی، جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسکراتے ہوئے بیت الشرف سے باہر آئے اور اصحاب سے فرمایا- "کون ہے جو مجھے اس تائب کی طرف رہنمائی کرے؟" معاذ نے عرض کی- "یا رسول اللہؐ! سنا ہے وہ فلاں مقام پر ہے-" آنحضرتؐ اپنے اصحاب کو ساتھ لیے اس کی طرف چل پڑے- اس پہاڑ پر پہنچے جس پر وہ جوان موجود تھا- دیکھا وہ دو پتھروں کے درمیان کھڑا اپنے ہاتھوں کو گردن پر باندھے ہوئے ہے- اس کا چہرہ سورج کی گرمی سے سیاہ پڑ چکا تھا اور آنکھوں کی پلکیں کثرت گریہ سے گر چکی تھیں- وہ گریہ کناں بارگاہ الٰہی میں کہہ رہا تھا-

"اے میرے آقا! تو نے مجھے خوش شکل خلق فرمایا- کاش میں جان سکتا کہ میرے متعلق تیرا کیا ارادہ ہے- مجھے اپنی آگ میں جلانا چاہتا ہے

یا اپنی بارگاہ میں پناہ دے دے گا- پروردگارا! تو نے مجھ پر بے شمار احسان کیے ہیں- مجھے کثرت نعمت سے نوازا- کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ مجھے بہشت میں بھیجے گا یا جہنم میں-

خداوندا! میرے گناہ آسمان و زمین اور عرش و کرسی سے عظیم تر ہیں- کتنا اچھا ہوتا اگر مجھے خبر کردیتا کہ تو نے مجھے معاف کیا یا روز قیامت رسوا کرے گا"-

وہ مسلسل یہ باتیں کرتے ہوئے روتا جاتا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا- جنگل کے وحشی درندے اس کے اطراف میں جمع ہوگئے جبکہ پرندے اس کے سر پر صف باندھے ہوئے تھے-

ایسے میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے نزدیک گئے- اس کے ہاتھوں کو گردن سے کھول دیا- سر سے مٹی کو صاف کیا اور فرمایا-

"اے بہلول! تجھے خوش خبری ہو کہ آتش جہنم سے آزاد ہوگئے-" پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا- "تم سب بھی بہلول کی مانند اپنے گناہوں سے توبہ کرو-" پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی جو خداوند عالم نے اس کے متعلق نازل فرمائی تھی اور اسے بہشت کی نوید سنائی-

ایک سوال اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اگر گنہگار کو ایک بیمار انسان اور گناہ کو ایک نفسیاتی بیماری مان لیا جائے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام نے گنہگار پر دنیا میں شرعی حد جاری کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ آخرت میں اس کو سخت عذاب سے ڈرایا ہے۔ درآں حالیکہ بیمار کو اس کی بیماری پر سزا دینا کسی طرح درست نہیں "لیس علی المریض حرج"

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گنہگار کے لیے دنیا میں شرعی حد اور آخرت میں سزا اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ بیماری کا علاج خود گنہگار کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس امر پر مکمل طور پر قادر ہے کہ ایک فوری ارادے سے خود کو گناہ کی بیماری سے بچا لے۔ بیماری کا پیدا ہونا خود انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے ورنہ خداوند عالم نے انسان کو بیمار خلق نہیں فرمایا۔ لیکن جسمانی بیماریوں میں نہ مرض انسان کے اختیار میں ہے اور نہ اس کا علاج۔ عام طور پر یہ دونوں ہی انسان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ امراض یکایک انسان پر حملہ کرکے اسے بیمار بنا دیتے ہیں۔ جب تک ایک طویل عرصے تک دوا کے ساتھ غذا میں پرہیز نہ کیا جائے، شفا حاصل نہیں ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوائیوں کے استعمال اور پرہیز کے باوجود بھی بیماری دور نہیں ہوتی اور مریض موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

پس دنیا اور آخرت دونوں میں گناہ کے لیے سزا مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ جب پروردگار عالم نے انسان کو نیک و بد کی تمیز کے لیے عقل کی دولت سے نوازا۔ اس کو خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کے راستے بتا دیئے اور انسان کو خود اپنے امراض کا طبیب قرار دیا۔ تو پھر اے انسان! تو نے کیوں خود کو گناہ کے راستے پر ڈال کر بیمار کردیا اور بیماری کے بعد بھی جبکہ اس کا علاج خود تمہارے اپنے ہاتھ میں تھا اور تم اپنے ایک ارادے سے اپنا علاج کرسکتے تھے، تو تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام، عبداللہ ابن جندب کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ **واجعل نفسک عدوا" تجاهده و عارية" تردها فانک قد جعلت طبيب نفسک و عرفت اية الصحة و بين لک الداء و دللت على الدواء....** (تحف العقول۔ ص ۳۰۴-۳۰۵)

"اپنے نفس کو دشمن قرار دو تاکہ اس سے جہاد کرو۔ یہ وہ امانت ہے جسے واپس لوٹانا ہے کہ تمہیں خود اپنے نفس کا طبیب قرار دیا گیا ہے۔ تم کو صحت کی نشانی بتا دی گئی ہے اور مرض کو تم پر ظاہر کردیا گیا اور اس کے علاج کے لیے ہدایات دے دی گئی ہیں....." امیر المومنین علیہ السلام، اپنے ایک خطبے میں جسے نہج البلاغہ میں نقل کیا گیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں۔

یا ایها الانسان ما جراک علی ذنبک و ما غرک بربک وما انسک بهلکته؟ اما من ذائک بلول ام لیس من نومک یقظته...

"اے انسان کس چیز نے تجھے گناہ پر دلیر کردیا۔ کس شئے نے تجھے اپنے پروردگار پر مغرور کردیا۔ کس چیز نے تجھے اپنی ہلاکت پر آمادہ کیا؟ کیا تیرے مرض کا کوئی علاج نہیں یا تو اس نیند میں ہے جس میں بیداری نہیں؟" آپ چند جملوں کے بعد پھر فرماتے ہیں۔

فتداو من داء الفترة فی قلبک بعزیمته، و من کری الغفلته فی ناظرک بیقظته۔ (نہج البلاغہ فیض۔ ص ۶۹۹) "پس (اے انسان) آ اور اپنے دل کی سستی (بے خبری) کا قطعی ارادے سے علاج کر۔ اس خواب غفلت سے بیدار ہو جو تیری آنکھوں میں رچ بس گئی ہے"۔نیز آپ سے منسوب اشعار میں فرمایا گیا۔

دوائک فیک ولا تبصر — و دائک عنک ولم تشعر

تیرا علاج خود تیری ذات میں ہے جسے تو نہیں دیکھ پاتا۔ اور تیری بیماری خود تیری وجہ سے ہے جس کا تجھے علم نہیں۔

بنیادی بات تو یہ ہے کہ اختیار اور آزادی ہی انسان کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ جس طرح وہ اپنے ایک ارادے سے شہوت کی قید اور سرکش خواہشات کی کمند سے رہائی حاصل کرکے عظمت کے کمال پر پہنچ سکتا ہے۔

اسی طرح خود کو ھوئی و ہوس کے سپرد کرکے حیوان سے بھی زیادہ پست بنا سکتا ہے۔

دیدہ اگر جانب خود واکنی — در تو بود ہرچہ تمنا کنی
عاقبت از غیر نصیب تو نیست — غیر تو اے خستہ طبیب تو نیست
از تو بود راحت بیمار تو — نیست بغیر از تو پرستار تو
چارہ خودکن کہ طبیب خودی — ہمدم خود شو کہ حبیب خودی
ای شدہ غافل ز غم و رنج خویش — چند نداری خبر از گنج خویش
گنج تو آن خاطر آگاہ تواست — گوہر تو اشک شبانگاہ تواست
خواہش مرہم زول خویش کن — ہرچہ طلب میکنی از خویش کن
چشم بصیرت گشائی چرا — بی خبر از خویش چرائی چرا
از رہ غفلت بگدائی رسی — در بخود آئی بخدائی رسی

ہم میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو خود کو ہر ذمے داری سے مبرا کرنے یا اپنی مرضی کے مطابق آزادانہ عمل کرنے یا سستی کی خاطر یا معاشرتی مفاسد کے اغراض حاصل کرنے کے لیے اپنی غلطیوں کا ذمہ دار اپنی قسمت کو گردانتے ہیں اور اپنے گناہوں کو قضا و قدر کا نتیجہ جانتے ہیں۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ بد سرشت انسان کبھی نیک نہیں بن سکتا اور دلیل کے لیے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں۔

گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ — باب زم زم و کوثر سفید نتوان کرد

یا

در کوی نیک نامی ما را گزر ندادند — گر تو نمی پسندی تغییر دہ قضا را

ایک اور شاعر یوں کہتا ہے۔

تاکی ز چراغ مسجد و دود کنشت — تاچند زیان دوزخ و سود بہشت
رو بر سر لوح بین کہ استاد قضا — روز ازل آنچہ بودنی بود نوشت

اور کبھی اپنی قسمت کو گناہوں کا سبب قرار دیتے ہیں۔
شاعر کہتا ہے۔

این دو چیزم بر گناہ انگیختند — بخت نافرجام و عقل ناتمام
گر گرفتارم کنی مستوجبم — ور ببخشی عفو بہتر ز انتقام

اور سب سے بدتر یہ کہ عمداً یا سہواً العیاذ باللہ گناہ کو خدا کی مرضی سے نسبت دیتے ہیں جبکہ خود کو ارتکاب گناہ میں بے اختیار تصور کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا۔

یکون فی اخر الزمان قوم یعملون المعاصی و یقولون ان اللہ قد قدرھا علیھم الراد علیھم کالشاھر سیفہ فی سبیل اللہ۔ (بحار الانوار۔ ج ۵۔ ص ۴۷)

آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو گناہ کرکے کہیں گے خدا نے

ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ جو لوگ ان کے اس دعوے کے خلاف جدوجہد کریں اس کا ثواب اتنا عظیم ہے جیسے راہ خدا میں تلوار چلائی ہو (دشمنان دین کے خلاف جنگ کی ہو)۔

درج ذیل رباعی ایسے ہی افراد کی تصویر کشی کرتی ہے۔

ای آنکہ بہر گام دو صد دام نہی — گوئی کشمت اگر در او گام نہی
خود دام نہی اگر در او گام نہند — گیری و کشی و عاصیش نام نہی؟

خواجہ نصیر الدین طوسی اسی وزن کی ایک رباعی میں اس کا جواب دیتے ہیں۔

ای آنکہ ز جہل گام در دام نہی — وانرا غضب و قہر خدا نام نہی
حق دام نہد ولی خبردار کند — عیب از تو بود اگر در او گام نہی

خیام سے بھی ایسے اشعار منسوب ہیں اور اسی طرح متعدد دوسرے افراد سے بھی۔ یہ سب لوگ ایک ہی راگ الاپتے ہیں۔ یہ سب لوگ اپنی غلط کاریوں کا جواز پیدا کرنے، اپنے گناہوں پر دلیل لانے اور خود کو ضمیر کی ملامت سے بچانے کی کوشش میں ایسے بے بنیاد دعوے کرتے ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف اپنے گناہوں کی ذمے داری دوسروں پر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دانشور نے کہا۔

"جبر کا نظریہ عام طور پر ایسے افراد کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جو خود کو قانون اور اخلاق کی قید سے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے ہر عمل

کے ارتکاب پر ایک مدلل عذر پیش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ خدا کی مرضی یہی تھی۔ اس کی مرضی کے سامنے کیا کیا جاسکتا ہے اور کبھی یہ کہ حالات کے تقاضے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور تاریخ کے جبر کا راستہ نہیں روکا جاسکتا۔"

البتہ یہ باتیں جبرو اختیار کی بحث سے متعلق ہیں جس پر ہمارے علماء دین نے بڑی حد تک اظہار خیال کیا ہے۔ ان علماء نے قرآنی آیات اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات کے سہارے مذہب حق کو، جو نہ جبر ہے اور نہ اختیار، ثابت کیا ہے۔

اگر ہم اس بحث کو چھیڑنا چاہیں جو ازخود ایک جداگانہ کتاب کی شکل اختیار کرے گی تو وہ ہمارے موضوع سے خارج ہوگی۔ لیکن اس خیال سے کہ یہ اشعار ہمارے محترم قارئین کے ذہن میں شکوک پیدا نہ کریں اور یہ بے بنیاد باتیں بلاجواب بھی نہ رہیں، اس بحث کے متعلق چند مختصر جملے کہنا چاہیں گے جو اس امر کو ثابت کریں گے کہ اپنے گناہوں کے لیے ہم خود ذمے دار ہیں۔

آیئے ہم اپنے گناہوں کو جو اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری کے منافی ہیں، تجزیہ کے طور پر اپنی قسمت اور تقدیر کے لکھے پر محمول کریں حالانکہ یہ بات علمی نقطہ نگاہ سے بے بنیاد اور ہمارے احساسات اور ضمیر کے بھی مخالف ہے۔

ہمارا ضمیر اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ ہم ہر قسم کے حالات میں جبکہ کام کے وسایل اور اس کے لیے بنیاد موجود ہو، فعل کی انجام دہی یا ترک پر آزاد ہیں۔ اب یہ ہمارا اختیار ہے کہ اس کام کو بجالائیں یا ترک کردیں۔ ہر کام کا ارادہ ہم ہی سے متعلق ہے۔ چاہے اسے بجالائیں یا چھوڑ دیں۔ ملا رومی فرماتے ہیں۔

در خرد جبر از قدر رسوا تر است — زانکہ جبری حس خود را منکر است
منکر حس نیست ان مرد قدر — فعل حق حسی بناشد ای پسر
درک وجدانی بجای حس بود — ہر دو دریک جدول ای عم میرود
اینکہ گوئی این کنم یا آن کنم — خود دلیل اختیار است ای صنم

شاعر ایک اور مقام پر یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ اگر یہ احساس اور فطرت دب جائے تو اسے کیونکر بیدار کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس موضوع کو ایک قصہ کی شکل میں یوں رقم کرتا ہے۔

آن یکی بر رفت بالای درخت — میفشانداو میوہ را دزوانہ سخت
صاحب باغ آمد و گفت ای دنی — از خدا شرمت بگوچہ میکنی؟
گفت از باغ خدا بندہ خدا — می خورد خرما کہ حق کردش عطا
پس بہ بستش سخت آندم بر درخت — میزدش بر پشت و پہلو چوب سخت
گفت آخر از خدا شرمی بدار — میکشی این بی گناہ را زار زار

گفت کز چوب خدا این بندہ اش — میزند بر پشت دیگر بندہ اش

چوب حق و پشت و پہلو آن او — من غلام و آلت فرمان او

گفت توبہ کردم از جبر ای عیار — اختیار است اختیار است اختیار

فتح کا احساس منجملہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو افعال اور مخصوص گناہ کے سلسلے میں انسان کو مختار ثابت کرتی ہیں۔ اس کے برعکس احساس شکست جو نفسانی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گناہ کے بعد ندامت اور پشیمانی کا احساس بھی ان امور میں سے ہے جو گناہ پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں انسان کے مختار ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

ترک گناہ سے انسان میں جو فتح مندی کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اگر انسان میں کسی کام کو انجام دینے کے لیے شہوانی اور حیوانی خواہشات پیدا ہوں لیکن وہ اپنی اخلاقی حیثیت کو بچانے کے لیے ان خواہشات کے سامنے ڈٹ جائے اور پھر ان پر عمل نہ کرے تو اس کے وجود میں فتح مندی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس پر شہوتِ غالب آجائے تو پھر فتح مندی کے بجائے اس میں شکست و حقارت کے احساسات رونما ہوں گے۔ (لارڈ آویبوری اپنی کتاب "خوش بختی کی جستجو" کے صفحہ ۳۳۸ پر تحریر کرتا ہے۔ پست اور ناجائز کاموں سے اپنا دامن بچاؤ کہ وہ تمہاری عزت نفس کو داغدار کردیں گے۔ جب ہم

کسی برے کام کا ارتکاب کرتے ہیں تو ہم میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ ہم کتنے حقیر اور پست ہوگئے ہیں۔) یہ امر از خود انسان کے مختار ہونے پر دلیل ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا اخلاق و کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو انسان کی مادی زندگی اور حیوانی خواہشات کا تابع نہیں۔ شہوانی پہلو انسان کی زندگی کے طفیلی اجزا ہیں۔ انسان میں فتح مندی کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی ذات کے ان طفیلی اجزا پر غالب آجائے۔ لیکن اگر ان کے سامنے ہار مان لے تو شکست کا احساس پیدا ہوتا ہے (اس امر کی مزید وضاحت اپنے مقام پر کی جاچکی ہے۔)

ندامت اور پشیمانی کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کو گناہ یا دوسرے برے افعال کے ارتکاب میں اختیار حاصل نہ ہوتا تو عمل کے بعد ندامت کا احساس ایک مہمل بات ہوتی اور انسان ان اعمال پر کبھی پشیمان نہ ہوتا۔ پشیمانی اور ندامت کا یہی احساس اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عمل کے ارتکاب کے وقت اس کے ترک کرنے پر قادر تھا۔ چونکہ اس نے ایسا نہ کیا اور ایسا کرنے سے اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس لیے اب پشیمان ہے۔ اب اسی دلیل کو ملا رومی کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں۔

یک مثال ای دل پی فرقی بیار — تابدانی جبر را از اختیار

دست کان لرزان بود از ارتعاش   وانکہ دستی را تو لرزانی ز جاش
ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس   لیک نتوان کرد این با آن قیاس
زین پشیمانی کہ لرزانید یش   چون پشیمان نیست مرد مرتعش
مرتعش را کی پشیمان دیدہ ای   بر چنین جبری چہ بر چسیدہ ای

وہ ایک اور مقام پر اس طرح فرماتے ہیں۔

زاری ماشد دلیل اضطرار   خجلت ماشد دلیل اختیار
گر نبودی اختیار این شرم چیست؟   وین دلیل و خجلت و آزرم چیست؟

پس معلوم ہوا کہ نیک اور بد اعمال کا اختیار ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ خلاق کائنات نے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیج کر ہمیں نیک و بد کا فرق سمجھا دیا اور ان کے انتخاب میں ہمیں مختار قرار دیا۔ اب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ اس ارادے اور قوت فیصلہ کے سہارے جو ہمارے وجود میں ودیعت کی گئی، اپنی نفسانی خواہشات کا راستہ روکیں اور ہمیشہ کے لیے اپنی نجات کا سامان کرلیں۔ یا پھر خود کو اپنی شہوتوں کا اسیر بنا کر عاقبت خراب کرلیں۔

لارڈ آویبوری تحریر کرتا ہے۔

"مصائب کی ایک قسم وہ ہے جو ہم پر ہمارے گزشتہ اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ان مصائب کی شکایت کریں۔ جو شخص بیج بوتا ہے وہی اس کا ثمر بھی حاصل کرتا ہے۔ اب اگر بیج ہی

خراب ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟ کیا اس کے لیے زمانے کو الزام دیں یا آسمان کے سلوک کی شکایت کریں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غربت اور بیماری زندگی کے سخت ترین مصائب میں سے ہیں۔ لیکن اکثر مصیبتیں کبر، غرور، طمع اور ان جیسی دوسری برائیوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔

ہر انسان اپنی مرضی سے نیک اور شریف بن سکتا ہے اور پست و بدکار بھی۔ لیکن لوگ بلا قضا و قدر کو الزام دیتے ہیں۔ ہم اپنی قسمت کے خود خالق ہیں۔ اور معمولی کوشش سے شریر و بدبخت بھی بن سکتے ہیں اور نیک و خوش بخت بھی۔ اور ہم خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ یقیناً ہم اس امر پر قادر ہیں کہ خود کو عظمت و شرافت کی معراج پر پہنچا دیں۔ یا ذلت و بدبختی کے کنویں میں گرا دیں۔ جب انسان پستی اور بدبختی میں گرفتار ہوجائے تو اس کی ساری ذمہ داری خود اسی پر ہوگی۔

انسان، حیوان اور فرشتہ کا ایک عجیب امتزاج ہے۔ ملٹن کہتا ہے کہ ہمارا جسم حیوان کی طرح اور روح فرشتے کی مانند ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ بعض افراد اپنے وجود کی تحقیر کرکے اسے فرشتوں کے مقام سے نیچے لاکر جانوروں سے بھی پست تر بنا دیتے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ اپنی شرافت روح کی حفاظت کریں اور حتی المقدور صحت کا خیال رکھیں۔ لیکن ضروری ہے کہ جسم پر توجہ دے کر روح کو فراموش نہ کریں کیونکہ جسم جس قدر بھی شریف ہوگا وہ ہمیں ہمارے تمام مقاصد کے حصول میں مدد

نہیں دے سکتا"۔

(در جستجوی خوش بختی۔ ص ۴۷-۴۸-۸۷)

ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے ان دو راستوں میں سے بدبختی کے راستے کو اپنے لیے پسند کیا اور شہوت کے اسیر بن گئے۔ ایسے لوگ بھی دیکھے گئے ہیں جنہوں نے یک لخت فیصلہ سے اپنی نفسانی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا اور نجات کے راستے کو اپنے لیے منتخب کیا۔ مثال کے طور پر اول الذکر افراد میں سے عمر بن سعد کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

عمر بن سعد۔ دوراہ پر

جب عبداللہ بن زیاد کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے رے کی حکومت عمر بن سعد کو دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس وعدے کو قتل حسین بن علی علیہ السلام سے مشروط کیا۔ عمر بن سعد کشمکش میں گرفتار ہوگیا۔ اس نے قطعی فیصلہ کے لیے ایک رات کی مہلت مانگی۔

عمر بن سعد اس رات صبح تک جاگتا رہا۔ کبھی رے کی حکومت اس کی نگاہوں کے سامنے آتی اور کبھی خدا اور پیغمبرؐ خدا کا تصور ذہن میں آتا۔ اس کے ضمیر کی آواز اسے اس کام سے باز رہنے پر اصرار کرتی رہی۔ وہ عجیب کشمکش کے عالم میں ان اشعار کو گنگناتا رہا تھا۔

فواللہ ما ادری و انی لحائر　　　افکر فی امری علی خطرین

ء اترک ملک الرے و الرے　　　ام اصبح ماثوما" بقتل حسین

منیتی بخدا میں سرگردان ہوں اور فیصلہ نہین کرپاتا کہ کیا کروں۔ میں ایک عظیم کشمکش میں مبتلا ہوں۔ کیا میں حکومت رے سے چشم پوشی کرلوں جو میری تنہا آرزو ہے یا یہ کہ حسین علیہ السلام کو قتل کرکے بہت بڑا گناہ مول لوں۔

وہ کافی غور و فکر کرنے کے بعد بھی اپنی نفسانی شہوتوں کو لگام نہ دے سکا۔ دوسری طرف اس کے ضمیر کی آواز بھی اسے اتنی آسانی سے اس جرم کے ارتکاب کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس لیے اس نے اس عمل کے لیے بہانہ بازی اور خود ساختہ دلائل کا سہارا لیا۔ اس نے کوشش کی کہ بے بنیاد دلائل کے ذریعے اپنے ضمیر کی ملامت سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اس لیے اس نے ان اشعار کے ذریعے اپنے عمل کا جواز تلاش کرنے کی سعی کی۔

یقولون ان اللہ خالق جنتہ　　　و نار و تعذیب و غل یدین

فان صدقوا فیما یقولون اننی　　　اتوب الی الرحمن فی سنتین

و ان کذبوا فزنا بدنیا عظیمتہ　　　و مالک عظیم دائم الحجلین

کہتے ہیں کہ خدا نے جنت و دوزخ اور ثواب و عقاب کو خلق کیا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو میں دو سال میں توبہ کرلوں گا۔ لیکن اگر جھوٹ ہے تو میں آسائشات دنیا اور عظیم حکومت کا مالک بنوں گا۔ اس کے بعد اس نے

فیصلہ کیا کہ اس جرم کا ارتکاب کرلیا جائے۔

ایک متحمل مزاج انسان

لیکن اسی سرزمین نینوا پر حر بن یزید ریاحی جیسے افراد بھی دیکھے گئے جنہوں نے اس ناپائیدار دنیا کو اہمیت نہ دی۔ نیز خود کو پستی یا جرائم سے آلودہ نہ کیا۔ مہاجر بن قیس جو عمر بن سعد کے لشکر میں شامل تھا کہتا ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو میں نے اس داروگیر میں حر بن یزید کو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ حسین علیہ السلام کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اے پسر یزید کیا حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟ حر نے کوئی جواب نہ دیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کا بدن لرز رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ تمہاری اس روش نے مجھے شک و شبہ میں مبتلا کردیا۔ بخدا آج سے پہلے میں نے کسی جنگ میں تمہاری یہ کیفیت نہ دیکھی تھی۔ اگر کبھی کوئی مجھ سے کوفہ کے شجاع ترین انسان کا نام پوچھتا تھا تو میں تمہارا نام لیتا تھا۔ میں تیری یہ کیا حالت دیکھ رہا ہوں؟ حر نے جواب دیا۔

انی واللہ اخیر نفسی بین الجنۃ و النار و واللہ لا اختار علی الجنۃ شیئا" و لو قطعت و حرقت

"بخدا میں خود کو جنت و دوزخ کے درمیان حیران پاتا ہوں۔ قسم ہے خدا کی کہ میں جنت کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا اگرچہ کہ میرا بدن ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے اور میرا جسد جلا دیا جائے"۔

وہ یہ کہہ کر فوراً ہی رہوار پر سوار ہوا اور خود کو امام تک پہنچا دیا۔ بعد میں سید الشہداء علیہ السلام کی رکاب میں جام شہادت کو نوش کیا۔

مختصر غور و فکر کے بعد فیصلہ کرلیا

علی بن ابی حمزہ کہتا ہے کہ میرا ایک دوست بنی امیہ کے لیے کتابت کا کام کرتا تھا۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگا امام جعفر صادق علیہ السلام سے میرے لیے ملاقات کا کوئی وقت مقرر کرلو۔ میں نے امام سے اس کے لیے ملاقات کا وقت طے کرلیا۔ اس نے حضرت کو پاس آکر سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا میں آپ پر فدا ہوں میں نے ایک عرصے تک بنی امیہ کے دفتر میں اہلکار کی حیثیت سے کام کیا ہے اور اس راہ سے ایک مال کثیر حاصل کیا۔ میں نے اس مال کو حاصل کرنے میں حلال و حرام کی تمیز نہیں رکھی اور جہاں سے بھی ممکن ہوتا مال حاصل کرتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر بنی امیہ کو تم جیسے آدمی نہیں ملتے جو ان کے دفاتر کو چلائیں، ان کے لیے ٹیکس وصول کریں، ان کی فوج میں شامل ہوں اور ان کے اجتماعات میں شرکت کریں تو وہ ہمارے حق کو غصب نہ کرسکتے تھے۔ اگر لوگ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ صرف وہی مال حاصل کرسکتے تھے جو اتفاقیہ طور پر انہیں مل جاتا۔ جوان نے عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہوں۔ اب میری نجات کے لیے کیا راستہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اگر میں تیری رہنمائی کروں تو کیا تو بجا لائے گا؟ اس

نے جواب دیا- یقیناً بجا لاؤں گا-

امام علیہ السلام نے فرمایا- جو کچھ تو نے ان کی حکومت میں رہ کر حاصل کیا، اس کو بھول جاؤ اور جو مال جس سے حاصل کیا ہے وہ اسے واپس کردو- اگر صاحب مال کو نہیں جانتے تو اس کے لیے صدقہ کرو- اس کے عوض میں تمہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے بہشت کی ضمانت دیتا ہوں- علی بن حمزہ کہتا ہے-

فاطرق الفتی راسہ طویلا" ثم قال قدفعلت جعلت فداک

نوجوان نے کچھ دیر کے لیے سر کو نیچے ڈالا- پھر کچھ سوچنے کے بعد عرض کی- میں قربان جاؤں- آپ کے حکم کو بجا لاؤں گا-

علی بن حمزہ کہتا ہے- وہ نوجوان ہمارے ساتھ کوفہ واپس آیا- اس کے پاس جو کچھ تھا- یہاں تک کہ تن کے کپڑوں کو بھی انفاق کردیا- جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے کچھ رقم کا انتظام کیا اور اس کے لیے کپڑے تیار کیے- باقی ماندہ رقم کو اس کے اخراجات کے لیے اس کے پاس بھجوا دیا-

ابھی کچھ ہی مہینے گزرے تھے کہ نوجوان بیمار پڑ گیا- ہم اکثر اس کی عیادت کو جاتے تھے- ایک روز جب ہم اس کے سرہانے پہنچے تو دیکھا کہ وہ عالم جاں کنی میں ہے- اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا- **یا علی و فی لی واللہ صاحبک** "قسم بخدا تیرے آقا نے مجھ

سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا"-

یہ کہتے ہی اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں اور ہم نے اسے دفنا دیا- جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا- **یا علی و فینا واللہ بصاحبک** "اے علی! خدا کی قسم ہم نے تیرے دوست سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا"-

میں نے عرض کی- میں آپ پر فدا ہوں- خدا کی قسم وہ بھی مرنے سے پہلے یہی الفاظ ادا کر رہا تھا- {۱- فروع کافی- ج۵-ص۱۰۶- مرحوم علی بن عیسیٰ اربلی نے بھی اپنی کتاب "کشف الغمہ" (ج۲-ص۴۰۶) میں اس سے مشابہہ ایک واقعہ کو ابن بصیر سے روایت کیا ہے جو ان کے ہمسایہ سے متعلق ہے اور جس نے اپنے مکان میں گانے والی عورتوں کو جمع کر کے مجلس شراب اور طرب سجائی تھی}

کتب تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ انسان اپنے ارادے، اختیار اور ان وسایل سے جو پروردگار عالم نے اسے ودیعت فرمائی ہیں، حساس ترین مراحل میں بھی گناہ سے اجتناب کرسکتا ہے- ان میں سب سے زیادہ واضح حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا واقعہ ہے- جنہیں گناہ کے تمام وسایل میسر تھے، اشراف مصر کی نہایت حسین و جمیل عورت نے جو بہترین لباس پہنے ہوئی تھی، نہایت آرام دہ اور پرسکون مکان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اظہار عشق

کیا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نہایت خوبصورتی کے ساتھ جوانی کے شباب پر تھے۔ یعنی عمر کے اس مرحلے پر جہاں سرکشی، طغیان اور جنسی میلانات اپنے عروج پر ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر لحاظ سے گناہ کے وسایل موجود تھے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر زلیخا کی طرف التفات نہ کیا اور اس کے ہاتھ سے بھاگ نکلے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خداوند عالم روز قیامت تین افراد کو دوسروں پر حجت قرار دے گا اور ان کے ذریعے دوسرے بندوں سے احتجاج کرے گا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

توتی بالرئتہ الحسناء یوم القیامتہ التی قد افتتنت فی حسنہا فتقول یارب حسنت خلقی حتی لقیت مالقیت، فیجاء بمریم علیہا فیقال انت احسن او ہذا؟ قد حسناہا فلم تفتتن، ویجاہ بالرحل الحسن الذی قد افتتن فی حسنہ فیقول یارب حسنت خلقی حتی لقیت من النساء ما لقیت فیجاء بیوسف علیہ السلام فیقال انت احسن او ہذا؟ قد حسناہ فلم یفتتن، و یجاء بصاحب البلاء الذی قد اصابتہ الفتنتہ فی بلائہ فیقول یارب شددت علی البلاء حتی افتتت فیوتی ایوب علیہ السلام فیقال ابلیتک اشد او بلیتہ

ہذا؟ فقد ابتلی فلم یفتتن۔ (روضہ کافی مترجم۔ ج۲۔ ص ۳۲)

"روز قیامت اس خوبصورت عورت کو لایا جائے گا جس کے حسن کی وجہ سے فتنہ برپا ہوگیا ہو۔ وہ عورت کہے گی۔ پروردگارا! چونکہ تو نے مجھے حسین خلق کیا اس لیے اس حسن کی وجہ سے میں گناہ میں مبتلا ہوگئی۔ پس جناب مریم علیہا السلام کو (جو حسن و خوبصورتی میں بے مثال تھیں) اس کے پاس لایا جائے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تو زیادہ خوبصورت ہے یا یہ؟ ہم نے اسے خوبصورت خلق کیا اس کے باوجود وہ گناہ میں آلودہ نہ ہوئیں۔

اسی طرح ایک خوبصورت مرد کو لایا جائے گا جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے معصیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ وہ کہے گا۔ پروردگارا! تو نے مجھے خوبصورت پیدا کیا جس کی وجہ سے میں عورتوں کے فریب میں آگیا۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے پاس لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تم زیادہ خوبصورت تھے یا یہ انسان؟ ہم نے اسے حسین و جمیل خلق کیا لیکن یہ عورتوں کے دام فریب میں نہ آیا۔

پھر ایسے مصیبت زدہ شخص کو لایا جائے گا جو ایسے مصائب کی وجہ سے فتنے اور معصیت میں گرفتار ہوا تھا۔ وہ کہے گا۔ پروردگارا! تو نے بلاؤں کو مجھ پر شدید کردیا اس لیے میں فتنے میں مبتلا ہوگیا۔ پس حضرت ایوب علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تیری

مصیبتیں سخت تھیں یا اس کی؟ وہ بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا لیکن اس نے فتنے کی راہ اختیار نہ کی"۔

عورتوں کے لیے ایک درس آموز قصہ

امام علیہ السلام اس حدیث میں ایک درس آموز نکتہ کی طرف عورتوں کی توجہ مبذول فرما رہے ہیں تاکہ وہ خود کو گناہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس حدیث کے پہلے جملے سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ عورتیں چونکہ اپنے ارادے اور استقامت میں مرد سے کمزور تر خلق کی گئی ہیں اور عام طور سے فریب و فتنہ کے جال میں جلد گرفتار ہوجاتی ہیں۔ لیکن خداوند عالم نے ان میں وہ صلاحیت عطا کی ہے کہ سخت ترین حالات میں جہاں گناہ کے ذرائع موجود ہوں، خود کو گناہ کی آلودگی سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ ان حالات میں پاکدامن بی بی جناب مریم علیہا السلام اس امر سے ناواقف ہونے کے باوجود کہ وارد ہونے والا خوبصورت نوجوان خدا کا فرشتہ ہے جو بشر کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، اس کا نام اور خصوصیات کے متعلق سوال نہیں کرتیں بلکہ ایک نصیحت آمیز جملہ کہہ کر درخواست کرتی ہیں کہ وہ وہاں سے چلا جائے اور اس مکان میں داخل نہ ہو۔ اسی جملے کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں نقل کیا۔

انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا" ۔(سورہ مریم ۔ آیت ۱۷)

"میں خدائے رحمان کے واسطے تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تو پرہیزگار ہے"۔

یعنی خدا سے خوف کھا اور فوراً میرے پاس سے دور ہوجا۔

اسی وقت اللہ کے فرشتے نے اپنا تعارف کروایا اور انہیں اس ذمہ داری سے آگاہ کیا جو خدا نے اس کے سپرد کی تھی۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

امام علیہ السلام حدیث میں اس حقیقت کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ ہر انسان ہر قسم کے حالات میں خود کو گناہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ لیکن اگر وہ گناہ سے آلودہ ہوجائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور جناب بی بی مریم علیہا السلام نے اپنے انتہائی حسن و جمال کے باوجود سخت ترین حالات میں خود کو محفوظ رکھا اور معصیت سے بچے رہے۔

اب ہم اس باب کے اختتام پر ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جسے شیعہ اور سنی دونوں نے بالاتفاق نقل کیا ہے۔ جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔

تقبلوالی بست اتقبل لکم بالجنتہ۔ اذا حدثتم فلا تکذبوا و اذا وعدتم فلا تخونوا و اذا ائتمنتم فلا تخولوا،

و غضوا ابصارکم و احفظوا فروجکم و کفوا ایدیکم و السنتکم - (خصال صدوق- ج۱- ص۳۲۱ محجۃ البیضاء- ج۵- ص۲۴۲)

تم میرے لیے چھ چیزوں کی ذمہ داری قبول کرو- میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری قبول کروں گا-

۱- جب کوئی واقعہ بیان کرو تو جھوٹ نہ بولو-

۲- وعدہ کرو تو اس کو مت توڑو-

۳- اگر تمہارے ذمے امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت نہ کرو-

۴- اپنی آنکھوں کو حرام چیزوں سے بند رکھو-

۵- اپنی شرم گاہوں کو گناہ سے محفوظ رکھو-

۶- اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی کو اذیت نہ دو-

اس باب کے موضوعات کا خلاصہ

۱- گناہ ایک بیماری ہے جس کا علاج کرنا لازم ہے-

۲- اسلام نے اسی سبب سے گنہگار کی سرزنش اور ملامت سے منع کیا ہے-

۳- گناہ اور گنہگار کے خلاف جنگ کی خاطر حکم دیا ہے کہ گنہگار سے دوری اختیار کرو اور اس کے عمل سے نفرت کا اظہار کرو-

۴- جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنہگاروں سے ایسا ہی

سلوک فرماتے تھے-

۵- گنہگار کو سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ گناہ کی بیماری کا چارۂ کار خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اور اگر وہ فیصلہ کرے تو خود کو گناہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے-

۶- بعض افراد آزادی عمل کی خاطر، نیز اپنے ضمیر کو ملامت سے بچانے کے لیے اپنے گناہ کو دوسروں کے ذمے ڈالتے ہیں اور اپنی تقدیر کو اس کے لیے سبب قرار دیتے ہیں-

۷- ہمارے گناہوں کے لیے زمانہ ذمے دار ہے اور نہ تقدیر- اس کا اختیار صرف ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے-

باب سوم

گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے

موضوعات

دعا کے معنی

دعا خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ

دعا - بیماریوں کا علاج ہے

دعا ہر حالت میں لازم ہے

دعا ہمیں پیش آنے والے خطرناک طوفانوں سے بچاتی ہے

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

حضرت یعقوب علیہ السلام، جناب یوسف اور بنیامین کے فراق میں

ایک مسلمان عورت سے

گناہ توفیق دعا کو کس طرح سلب کرتا ہے

گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے

ایک شخص جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حضور

گنہگار بارگاہ خدا میں کس طرح حاضری دے

وہ شخص جو بے اولاد تھا اور اولاد کے لیے دعا کرتا تھا

قبولیت دعا کی چند شرائط

وہ لوگ جن سے خدا دعا کو قبول نہیں کرتا

دعا کے متعلق چند نکات کی وضاحت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

کسی حال میں دعا سے نہ غافل ہو

گناہ کے ناپسندیدہ نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ دعا کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور دوسرے یہ کہ دعا قبول نہیں ہوتی- بزرگان دین نے اس حقیقت کو متعدد روایات میں واضح کیا ہے- ہم ان روایات کو نقل کرنے سے قبل دعا کے بارے میں مختصر سی وضاحت پیش کریں گے- اس وضاحت میں جسم و جان پر دعا کے اچھے اثرات اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی- تاکہ اس بارے میں بزرگان دین کے فرمودات کو بہتر طور سے سمجھا جاسکے- نیز اس طرح بعض افراد کے شکوک و شبہات کو جو پیہم سوال کرتے ہیں کہ ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی، کسی حد تک دور کیا جاسکے گا-

دعا کا مفہوم

لغت میں دعا کا مفہوم "پکارنا" ہے چاہے پکارنے میں طلب مضمر ہو، عجز کا اظہار ہو یا تعریف و ستائش- قرآن مجید اور روایات میں جہاں کہیں دعا کو مصدر، ماضی مضارع یا اس کے دوسرے مشتقات کے ساتھ استعمال

کیا گیا ہے وہاں پکارنے کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے یہ آیہ شریفہ۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ۔ (سورہ کہف۔ آیت ۲۸)

"جو لوگ اپنے پروردگار کی صبح سویرے یا شام کو یاد کرتے ہیں اور اسی کی خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ ان کے ساتھ تم (بھی) اپنے نفس پر جبر کرو"۔**امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء...** (سورہ نمل۔ آیت ۶۲) "کون ہے کہ جب مضطر اسے پکارے تو وہ دعا کو قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے"۔دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

ادعو ربکم تضرعا و خفیتہ انہ لایحب المعتدین۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۵۵) "اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سے دعا کرو۔ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا"۔اور ایسی ہی متعدد دوسری آیتیں موجود ہیں جہاں دعا کو پکارنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

روایات میں بھی یہی مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ دعا کے لفظ سے ہمارے ذہن میں بھی جو تصور ابھرتا ہے وہ طلب ہے نہ کہ دعا۔ شاید شرع مقدس اسلام میں بھی دعا کا اصلی مفہوم یہ ہو کہ لوگ جس حالت میں بھی ہوں خدا کو پکاریں اور اپنے امور میں ہمیشہ اس سے مدد طلب کریں۔ اپنے

تعلق کو اس سے قطع نہ کریں اور خدا کو ہرگز نہ بھولیں۔ جبکہ یہ امر از خود ایک عبادت ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

الدعا مخ العبادۃ ۔ (بحار الانوار۔ ج۹۳۔ ص ۳۰۰) "دعا عبادت کی جان ہے"۔ قرآن مجید میں بھی پروردگار عالم نے دعا کو عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔**ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون فی جھنم داخرین**۔ (سورہ مومن۔ آیت ۶۰)

"تم مجھے پکارو میں قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عنقریب ہی ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل کیے جائیں گے"۔چنانچہ ایک حدیث میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نیز امام سجاد علیہ السلام بھی اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں اس امر کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

دعا مومن کا اسلحہ ہے

پس معلوم ہوا کہ دعا اپنے اچھے اثرات کے علاوہ ایک قسم کی عبادت اور عبد و معبود کے درمیان ارتباط کا ذریعہ بھی ہے جو انسان کے باطن کے لیے وجہ سکون اور زندگی کے مصائب اور مشکلات کے حل میں ایک موثر دوا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو لوگ اس عبادت سے محروم ہیں گویا

انھوں نے زندگی کی مشکلات اور مصائب میں ایک مضبوط جائے پناہ کو ہاتھ سے کھو دیا ہے- ان لوگوں کی مثال اس نہتے انسان کی سی ہے جو زندگی کے میدان کارزار میں بے یارومددگار رہ گیا ہو- جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں -**الدعاء سلاح المومن** -(اصول کافی- ج ۴- ص ۲۱۳- ۲۱۴) "دعا مومن کا اسلحہ ہے"-

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں -**الدعاء ترس المومن**- (اصول کافی- ج ۴- ص ۲۱۴) "دعا مومن کی سپر ہے"-

امام ہشتم علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں-

علیکم بسلاح الانبیاء- فقیل- وما سلاح الانبیاء؟ قال الدعا-(بحار الانوار-ج ۹۳- ص ۲۹۱)

"تم انبیاء کے اسلحہ سے مسلح رہو- اصحاب نے عرض کی سلاح انبیاء کیا ہے؟ فرمایا دعا"-

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں-

الا ادلکم علی سلاح ینجیکم من عدوکم و یدر رزقکم؟ قالوا نعم قال تدعون باللیل و النہار فان سلاح المومن الدعا "کیا تمہیں اس اسلحہ سے متعارف نہ کروایا جائے جو تمہیں دشمنوں سے بچائے اور تمہارے رزق و روزی میں بھی اضافہ کرے؟ عرض کی کیوں نہیں- فرمایا رات دن خدا کو پکارو کہ دعا مومن کا اسلحہ ہے"-

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں -

ادفعوا امواج البلاء بالدعا -(نہج البلاغہ فیض- ص ۱۱۴۴)

"بلا کی موجوں کو دعا کے وسیلہ سے دور کردو"-

ان چند احادیث کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دعا عمیق نفسیاتی اثر رکھتی ہے خواہ انسان دعا کے ذریعہ خدا سے کچھ مانگے یا نہیں- دانشور حضرات اور نفسیات کے ماہرین بھی دور حاضر میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خدا سے توسل بہت سی بلاؤں اور امراض کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے- بنیادی طور پر ایسے بہت سے امراض ہیں جو ایسے گھروں میں نہیں پہنچ پاتے جہاں دعا کے ذریعے خدا سے تعلق کو برقرار رکھا جاتا ہے-

اس کے لیے سہارا نہیں بن سکتے- دعا انسان کو عظیم حادثات کے برداشت کی طاقت عطا کرتی ہے-

آج کی سائنسی دنیا اس دنیا سے مختلف نہیں جہاں دعا ہی ہر مشکل کی دوا ہے- لیکن جس طرح عقل اور بے عقلی ایک دوسرے سے متعلق نہیں- اسی طرح وہ بھی باہم مربوط نہیں- یہ کیفیات جس قدر بھی ناقابل فہم ہوں ان کی حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے-(راہ و رسم زندگی- ص ۱۳۷)

مشہور امریکی ماہر نفسیات "ڈیل کارنیگی" اپنی کتاب آئین زندگی

(زندگی کو پریشانی اور تشویش سے کس طرح نجات دی جائے) میں تحریر کرتا ہے۔

"آج کا جدید ترین علم یعنی نفسیات انہی امور کی تعلیم دیتا ہے جن کی تعلیم پیغمبروں نے دی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین نفسیات اب اس حقیقت کو پاچکے ہیں کہ دعا، نماز اور دین سے وابستگی، ان تمام پریشانیوں، تشویش، ہیجان اور خوف کو دور کرتے ہیں جو ہماری اکثر مشکلات کا موجب ہیں"۔

اس علم کا ایک بانی کہتا ہے "جو شخص بنیادی طور پر مذہب پر عقیدہ رکھتا ہو وہ کبھی اعصابی بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوگا۔" اگر مذہب کا وجود نہ ہو تو زندگی بے معنی ہوجاتی ہے اور اس کی حیثیت کھلونے سے زیادہ باقی نہیں رہتی۔

ہنری فورڈ کی موت سے چند برس پہلے، ایک دن میں، اس کی ملاقات کو گیا۔ ملاقات سے قبل میں یہ توقع کر رہا تھا کہ وہ اپنی ان مشکلات، خستگی اور پریشانیوں کا تذکرہ کرے گا جو اس نے ان طویل برسوں میں دنیا کی ایک عظیم کمپنی قائم کرنے میں برداشت کی تھیں۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوا کہ وہ ستر برس کی عمر میں بھی نہایت پرسکون اور ہر قسم کی تشویش سے مبرا تھا۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کبھی تمہیں پریشانی اور تشویش بھی لاحق ہوئی ہے تو اس نے جواب دیا نہیں، کیونکہ یہ میرا

عقیدہ ہے کہ خداوند عالم جملہ امور کو خود حل کرتا ہے۔ وہ خدائے بزرگ و برتر میرے کسی مشورے یا رہنمائی کا محتاج نہیں کیونکہ پروردگار عالم جملہ امور پر حاکم ہے۔ تمام امور بالآخر بہترین طریقے سے انجام پاجائیں گے۔ ایسی صورت میں پریشانی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

آج کے دور میں ماہرین نفسیات تک بھی دین کی تبلیغ کا کام کر رہے ہیں وہ ہمیں دین داری کی رغبت اس لیے نہیں دلاتے کہ ہم آخرت میں آتش جہنم سے محفوظ رہیں بلکہ اس دنیا کی آگ یعنی السر، انجائنا، اعصابی بیماریاں اور جنون سے نجات کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

جدید علم نفسیات کا باپ "ولیم جیمز" اپنے ایک دوست کے نام خط میں اسے یاد دلاتا ہے کہ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی جارہی ہے، خدا پر اعتقاد کی ضرورت بھی بڑھتی جارہی ہے۔" (آئین زندگی۔ ص۱۸۱)

ڈاکٹر الیکس کارل جسے سب سے بڑا علمی ایوارڈ یعنی نوبل پرائز دیا گیا تھا، اپنی کتاب "بشر مجہول" میں تحریر کرتا ہے۔

"دعا اور عبادت وہ موثر ترین قوت ہے جو انسان کو میسر آسکتی ہے یہ قوت زمین کی قوت جاذبہ کی مانند حقیقی اور خارجی وجود رکھتی ہے۔ میں نے خود اپنے ڈاکٹری کے پیشے میں بھی ایسے افراد کو دیکھا ہے جنہوں نے مسلسل علاج سے مایوس ہو جانے کے بعد، صرف دعا اور عبادت کے ذریعے خطرناک بیماری سے نجات حاصل کرلی۔ دعا، ریڈیم کی مانند روشنی کا

ایک ایسا چمکتا ہوا منبع ہے جو از خود پیدا ہوتا ہے۔ انسان دعا کے ذریعے کوشش کرتا ہے کہ تمام قوتوں کے لامحدود منبع سے متمسک ہو کر اپنی محدود قوت میں اضافہ کرے۔ ہم جس وقت دعا کرتے ہیں تو گویا ایک ایسی ختم نہ ہونے والی قوت محرکہ سے اپنا تعلق برقرار کرتے ہیں جس نے تمام کائنات کو ایک دوسرے سے مربوط کر رکھا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اس قوت کا ایک حصہ ہماری حاجت روائی کے لیے مخصوص کردیا جائے۔ دعا ہی کے وسیلے سے ہماری خامیاں اصلاح پاتی ہیں اور ہم ایک نئی قوت اور بہتر حالت میں اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم جب ایک لگن اور جذبے کے ساتھ دعا اور عبادت میں خدا کو پکارتے ہیں تو ہماری روح اور جسم دونوں خود کو پہلے سے بہتر حالت میں محسوس کرتے ہیں۔

یہ ناممکن ہے کہ کوئی عورت یا مرد ایک لمحے کے لیے بھی اپنے خدا کو پکارے اور اس کا مفید نتیجہ برآمد نہ ہو۔" (آئین زندگی۔ ص۱۸۶)

مذکورہ دانشور نے یہاں تک لکھا کہ بے خوابی کا علاج بھی دعا ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ وہ اس سلسلے میں ایک انگریز دانشور کا قول نقل کرتا ہے جس نے انگلستان کی میڈیکل سوسائٹی میں تقریر کے دوران کہا تھا۔

"میں برسہا برس کے تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ دعا وہ موثر ترین عنصر ہے جس کے ذریعے بے خوابی کی کیفیت کو دور کیا جاسکتا ہے۔"

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دعا، قطع نظر اس کے کہ

اس سے کوئی شئے طلب کی جائے، مصائب، مشکلات اور حتیٰ کہ امراض کے دور کرنے میں بھی اہم اور ناقابل انکار کردار ادا کرتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام، محمد بن سلم سے فرماتے ہیں۔ **الا اخبرک بما فیہ شفاء من کل داء حتی السام؟ قال بلی قال الدعا**۔ (نہج البلاغہ فیض۔ ص ۱۱۴۴)

"کیا تمہیں اس شئے کے متعلق خبر دوں جو ہر مرض کی دوا ہے حتیٰ کہ موت کی بھی۔ عرض کی یقیناً فرمایا وہ دعا ہے"۔

دعا ہر حالت میں ضروری ہے

دعا عام تصورات کے برعکس صرف مشکلات اور مصائب کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ خداوند تعالیٰ ان افراد کو جو صرف بلا اور مصیبت کے وقت اس سے رجوع کرتے ہیں، تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

و اذا مس الانسان الضر دعانا لجنبہ او قاعدا" او قائما" فلما کشفنا عنہ ضرہ مر کان لم یدعنا الی ضر مسہ کذالک زین للمسرفین ما کانو یعملون۔ (سورۂ یونس۔ آیت ۱۰)

"جب انسان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ سوتے جاگتے اور حالت قیام غرض ہر حالت میں اسے پکارتا ہے۔ جب ہم اس کی مصیبت کو

دور کر دیتے ہیں تو وہ ہم سے دور ہو جاتا ہے گویا اس نے مصیبت میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اس طرح اسراف کرنے والوں کے لیے ان کے اعمال کو زینت دے دی جاتی ہے"۔ باری تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

و اذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ واذا مسہ الشر وفذو داء عریض۔ (سورہ فصلت۔ آیت ۵۱)

"جب ہم انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر لیتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی بلا یا مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو ہم کو بے حد پکارتا ہے"۔

سورۂ یونس، روم، لقمان اور عنکبوت میں بھی اسی مضمون سے متعلق متعدد آیتیں موجود ہیں۔ روایات کی رو سے، اسلام کے پیشواؤں نے مختلف انداز سے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا ہے کہ خوشی، غمی اور سختی غرض ہر حالت میں دعا سے غافل نہ ہوں۔ روایات میں تو اس حد تک بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مصیبت اور مشکل کے علاوہ دوسرے اوقات میں دعا نہ کرے تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من تقدم فی الدعاء استجیب لہ اذا نزل بہ البلاء وقالت الملائکتہ صوت معروف ولم یحجب عن السماء ومن لم یتقدم فی الدعاء لم یستجب لہ اذا نزل البلاء وقالت الملائکتہ ان ذا الصوت لا نعرفہ ۔ (اصول کافی۔ ج ۴۔

ص ۲۱۹)

"جو شخص دعا میں سبقت کرتا ہے (ہر حال میں بارگاہ خدا میں دست بدعا رہتا ہے) تو جب اس پر بلا نازل ہوتی ہے اور وہ ہم سے دعا کرتا ہے تو ہم قبول کرتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں اس کی آواز تو ہمارے لیے آشنا ہے۔ اس کی آواز آسمان سے واپس نہیں لوٹائی جاتی اور جو شخص دعا میں سبقت نہیں کرتا (اور صرف نزول بلا کے وقت ہی دعا کرتا ہے) اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ فرشتے کہتے ہیں ہم نے تو اس کی آواز کبھی سنی ہی نہیں"۔

دوسری روایت میں وارد ہے **قیل این کنت قبل الیوم** ۔ (اصول کافی۔ ج ۴۔ ص ۲۲۰) اس سے پوچھا جائے گا آج سے پہلے کہاں تھے۔

امام الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من سرہ ان یستجاب لہ فی الشدۃ فلیکثر الدعاء فی الرخاء ۔ (اصول کافی۔ ج ۴۔ ص ۲۲۰) "جو شخص چاہے کہ اس کی دعا مصیبت کے وقت قبول ہو اس پر لازم ہے کہ سکون کے وقت کثرت سے دعا کرے"۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا "علی بن الحسین علیہ السلام ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مصیبت کے نازل ہونے کے بعد دعا کا کوئی

فائدہ نہیں۔"اوحی اللہ الی داود صلوات اللہ علیہ۔ اذ کرونی فی ایام سرائک حتی استجیب لک فی ایام ضرائک۔ (بحار الانوار۔ ج۹۳۔ ص۳۸۱)

خدا نے جناب داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ مجھے اپنی خوشحالی کے ایام میں یاد کرو تاکہ میں مصیبت کے وقت تمہاری دعا کو قبول کروں۔

مشہور امریکی ماہر نفسیات "ڈیل کارنیگی" اس سلسلے میں تحریر کرتا ہے۔

"ہم میں ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ جب ان پر زندگی تنگ ہوجاتی ہے اور ان کی قوت برداشت جواب دینے لگتی ہے تو وہ ناامیدی کی کیفیت میں خدا سے رجوع کرتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مشکل کے وقت کوئی شخص خدا کا منکر نہیں ہوتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ناامیدی اور مایوسی کے آخری لمحات تک کیوں انتظار کیا جائے۔ ہر روز اپنی قوت کی تجدید کیوں نہ کی جائے اور عبادت کے لیے زندگی کے آخری ایام کا انتظار کیوں کریں۔" (آئین زندگی۔ ص۱۸۵)

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے دعا پر اتنی شدید تاکید کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی توجہ کو خدا کی طرف موڑا جاسکے تاکہ عبد اور معبود کے درمیان ایک تعلق قائم ہوجائے۔ اور بندے ہر حال میں خدا کو پکاریں، اس کی یاد سے

غافل نہ ہوں، زندگی میں درپیش طوفانوں کے مقابلے پر ہمت نہ ہاریں اور خداوند تعالیٰ کی مدد اور قوت سے اس پر قابو پالیں۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ہم چند پیغمبران خدا اور باایمان مردوں اور عورتوں کی سرگزشت آپ کے لیے رقم کر رہے ہیں۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا سخت ترین لمحات میں انسان کو سکون قلب بخشتی ہے اور اس میں مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے استقامت پیدا کرتی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے ان بڑے پیغمبروں میں سے ہیں جنہوں نے برسہا برس تک شہر نینوا میں لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دی۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے دوسری امتوں کی مانند اس مصلح، خیر خواہ اور ہمدرد انسان کی تعلیمات قبول نہ کیں یہاں تک کہ انہوں نے پیغمبر خدا کو تھکا دیا اور چند افراد کے علاوہ آپ پر کوئی ایمان نہ لایا۔ حضرت یونس علیہ السلام یہ صورتحال دیکھ کر غصے کے عالم میں شہر نینوا سے باہر نکل گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے شہر کے لوگوں کے لیے بددعا کی۔ اور اللہ سے دعا کی کہ ان پر آسمان سے بلا نازل کرے۔

حضرت یونس علیہ السلام ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے آگئے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ کشتی میں سوار ہو کر سفر کا ارادہ رکھتا

ہے۔ آپ نے ان لوگوں سے درخواست کی کہ آپ کو بھی کشتی میں بٹھا لیا جائے۔ لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی درخواست کو قبول کیا۔ جب آپ کشتی میں بیٹھ گئے تو کشتی روانہ ہوگئی۔ ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ طوفانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ کشتی موجوں کے درمیان متلاطم تھی۔ مسافروں نے یہ صورتحال دیکھ کر کشتی کا وزن کم کرنا چاہا۔ ان کا خیال تھا کہ سمندر کا خدا غضب ناک ہوگیا ہے اور یہ طوفان اس کے سبب سے ہے۔ پس انہوں نے طے کیا کہ جس کے نام قرعہ نکل آئے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔

قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ لیکن ان کے چہرے کا جلال اور نور مانع ہوا کہ لوگ انہیں سمندر میں پھینک دیں۔ اس لیے انہوں نے دوسری اور پھر تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا۔ ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام ہی کے نام نکلا۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ شاید اس میں بھی کوئی راز ہو، حضرت یونس علیہ السلام کو پانی میں پھینک دیا۔

خداوند عالم نے اس ہنگام میں ایک بڑی مچھلی کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے لیکن ان کا گوشت نہ کھائے بلکہ اپنے شکم میں حضرت یونس علیہ السلام کو حفاظت سے رکھے۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی لیے پروردگار عالم نے حضرت یونس علیہ السلام کی

جگہ کو "ظلمات" {ایک روایت کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ظلمت سے مراد شکم ماہی کی تاریکی اور ظلمت شب سے مراد سمندر کی تاریکی تھی۔} سے تعبیر کیا۔ وہ فرماتا ہے۔

و ذالنون اذ ذهب مغاضا” فظن ان لن نقدر عليه فنادى في الظلمات ان لا اله الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين فاستجبناله و نجيناه من الغم و كذالك ننجي المومنين۔ (سورہ انبیاء۔ آیت ۸۸)

”اور یونس کو یاد کرو جب کہ غصے میں آکر چلے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے۔ تو گھٹاٹوپ اندھیرے میں وہ چلا اٹھے کہ پروردگارا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے۔ بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں رنج سے نجات دلائی اور ہم تو ایمانداروں کو یونہی نجات دیا کرتے ہیں“۔

اس مصیبت اور مشکل کے وقت بارگاہ الٰہی میں دعا اور توسل بجز کے علاوہ وہ کونسی شئے ہے جو انسان کو گرداب بلا اور غم سے نجات دے کر اس کو سکون قلب اور اطمینان خاطر نصیب کرے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام، یوسف اور بنیامین کے فراق میں

شام میں کنعان نامی ایک قصبہ تھا جہاں پیغمبران الٰہی میں سے حضرت

یعقوب علیہ السلام اپنے اہل خاندان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے گیارہ بیٹے اپنے عنفوان جوانی میں اس پیر کنعان کے لیے چراغ زندگی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں کا بارھواں ایک انتہائی خوبصورت بچہ یوسف تھا جس سے اس کا باپ اس کی عقلمندی، ذکاوت، فکری خوبصورتی اور سیرت کی نیکی کی وجہ سے دوسرے بھائیوں سے زیادہ محبت کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے بھائی اس سے حسد کرنے لگے اور اس کوشش میں تھے کہ اسے قتل کردیا جائے۔ انہوں نے انتہائی غور و فکر کرنے کے بعد طے کیا کہ ایک مقررہ دن یوسف علیہ السلام کو کسی بہانے سے اپنے والد سے لے کر اپنے ساتھ صحرا میں لے جائیں اور پھر اپنی سازش کو عملی صورت دیں۔

جب مقررہ دن آن پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے صحرا میں سیر و تفریح کے بہانے اپنے والد سے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی اور انہیں ساتھ لے کر صحرا میں نکل گئے۔ مختصر یہ کہ آپس میں کچھ گفت و شنید کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا۔ پھر ان کی قمیض کو خون آلود کرکے اپنے والد کے پاس لائے اور کہنے لگے "ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس حفاظت کی غرض سے چھوڑ دیا اور خود آپس میں مقابلہ میں مصروف تھے کہ ناگاہ کمین گاہ سے بھیڑیا آیا اور یوسف کو پھاڑ کھایا۔"

یہ جائے تامل و تفکر کی ہے کہ یعقوب جیسا وہ باپ جو صبح سویرے اپنے خوردسال، خوبصورت اور نیک سیرت نور نظر کو صحیح سالم خود سے رخصت کرے اور شام کو اس کے قتل کی اندوہ ناک خبر ملے۔ اس کے لیے اس مصیبت کو برداشت کرنا کسقدر دشوار اور مشکل ہوگا۔ اس مشکل صورتحال میں خدائے لایزال کے ذکر کے علاوہ وہ کونسی قوت ہے جو اس مصیبت زدہ دل کو اطمینان دے۔ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی خالق کل سے پناہ طلب کی اور بیٹوں سے گفتگو کے دوران صرف ایک ہی جملہ کہہ کر اپنے قلب کو تسلی بخشی۔ آپ نے فرمایا۔

قال بل سولت لکم انفسکم امرا" فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون

"تمہارے دل نے تمہارے بچاؤ کے لیے جو بات گڑھی ہے اس پر صبر و شکر ہے۔ جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر خدا ہی سے مدد مانگی جاتی ہے"۔

اس واقعہ کے ایک یا دو دن کے بعد ایک کاروان کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ جب پانی کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کے ذریعے باہر آگئے۔ کاروان انہیں اپنے ساتھ مصر لے گیا اور وہاں کے بازار میں فروخت کردیا۔

گردش ایام سے حضرت یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کے دربار میں

پہنچا دیئے گئے۔ غرض یہ کہ ایک طویل عرصے تک مشکلات برداشت کرنے کے بعد انہیں مصر کی حکومت نصیب ہوئی اور ان کا گھر خلق خدا کی حاجات اور آرزوؤں کی برآوری کا مرکز قرار پایا۔

بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے مصر میں قحط رونما ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ حضرت یوسف نے پہلے سے ان دنوں کی پیش بندی کا سامان کرلیا تھا۔ ضرورت مندوں کو اپنے گندم کے ذخائر میں سے حصہ دیا کرتے اور اس طرح اپنے تدبر اور فراست سے ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے رہے۔

مصر میں قحط کا اثر ملحقہ سرزمینوں تک پھیلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اطراف کے شہروں میں بھی لوگ خوراک کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے تدبر، فراست اور کریمانہ مزاج کی شہرت پھیلی تو دور دراز علاقوں سے کاروان مصر آنے لگے تاکہ خوراک کا انتظام کیا جاسکے۔

ان کاروانوں میں سے ایک کاروان کنعان سے آیا تھا۔ کاروان کے افراد حضرت یوسف علیہ السلام کے وہی دس بھائی تھے جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان سے انتہائی ملاطفت اور مہربانی سے پیش آئے لیکن وہ پہچان نہ سکے کہ یہی ان کا وہ

چھوٹا بھائی ہے جسے وہ کنویں میں پھینک آئے تھے۔ جب کاروان واپس کنعان جانے لگا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے حالات دریافت کیے۔ ان کے جملہ حالات سے واقف ہونے کے بعد ان کو تاکید کی کہ آئندہ سفر میں اپنے اس بھائی کو بھی اپنے ساتھ مصر لائیں جسے وہ کنعان میں چھوڑ آئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند واپس کنعان روانہ ہوئے۔ کنعان پہنچ کر انہوں نے عزیز مصر کی نیکی اور مہربانیوں کی اپنے والد سے تعریف کی اور ان سے درخواست کی کہ انہیں اجازت دیں کہ وہ دوبارہ مصر کا سفر اختیار کریں اور اپنے ساتھ اپنے گیارھویں بھائی کو بھی لے جائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جو برسوں سے یوسف کے فراق میں تڑپ رہے تھے اور یوسف کی غیرموجودگی میں ان کے سگے بھائی بنیامین کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اس تجویز پر پریشان ہوئے۔ انہیں وہ سلوک یاد آیا جو برادران یوسف نے یوسف کے ساتھ روا رکھا تھا۔ فرمانے لگے میں کیونکر اسے تمہارے سپرد کردوں جبکہ تم اس سے پہلے بھی اپنے بھائی یوسف کے ساتھ ظلم کرچکے ہو؟ میں کس طرح تم پر بھروسہ کرسکتا ہوں۔ اب مجھ میں اس کے فراق کی تاب نہیں۔ میں ہرگز اسے تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ جب بھائیوں نے اصرار کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان

سے وعدے لینے کے بعد بنیامین کو ان کے سپرد کیا۔ اس طرح جناب یعقوب علیہ السلام کے گیارہ فرزندوں نے مصر کا سفر اختیار کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جو برسہا برس تک اپنے بیٹے یوسف کے فراق میں اشک بہاتے رہے اب اپنے دوسرے نور نظر کے انتظار میں دن گننے لگے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پر دن اور رات بہت آہستہ کٹنے لگے۔ چند دن کے بعد جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نگاہ میں چند ماہ سے کم نہ تھے' کاروان واپس لوٹا لیکن جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے متوقع تھا' بنیامین کو اپنے ساتھ واپس نہ لایا۔ خواہ و ناخواہ وہی ہوا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خوف تھا۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے سنا کہ ان کے بیٹے بنیامین کو مصر میں چھوڑ آئے ہیں تو اپنی اس پیرانہ سالی میں بے انتہا روئے۔ آپ کے دل میں غم و اندوہ کا سیلاب تھا۔ وہ اپنی طبیعت پر شدید بوجھ محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس عظیم مصیبت کے وقت وہ تنہا شئے جس نے ان مصائب کو ان جناب پر آسان کردیا جس کی وجہ سے وہ اپنے وجود میں ایک نئی روح محسوس کر رہے تھے وہ بارگاہ الٰہی کی طرف ان کا رجوع تھا۔ آپ نے گزشتہ کی مانند صرف ایک جملہ کہہ کر اپنے آپ کو پرسکون کرلیا اور فرمایا ۔قال بل سولت لکم انفسکم امرا" فصبر جمیل' عسی اللہ ان یا تینی بھم جمیعا" انہ ھو العلیم الحکیم

"تم نے جو بات اپنے دل سے گڑھی ہے اس پر صبر و شکر ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ خدا ان سب کو باہم مجھ تک واپس لوٹائے گا کہ وہ دانا اور علیم ہے"۔جب فرزندوں نے آپ پر اعتراض کیا تو ان کے جواب میں فرمایا۔

انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون۔ "میں اپنے غم و اندوہ کی شکایت صرف بارگاہ خدا میں کرتا ہوں۔ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

اس قرآنی واقعہ کا ایک سودمند درس یہ ہے کہ زندگی کے سخت ترین شدائد اور مصائب میں جو شئے انسان کو اطمینان بہم پہنچاتی ہے وہ خدا کی طرف رجوع اور اس پر بھروسہ ہے۔

ایک مسلمان عورت کا قصہ

ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حجاز کے بیابان میں سفر کر رہا تھا۔ سفر کے دوران ہم راستہ بھول گئے۔ ہم نے دیکھا بہت دور ایک خیمہ نصب ہے۔ ہم اسی طرف چل پڑے۔ خیمہ کے دروازے پر پہنچ کر ہم نے سلام کیا۔ خیمہ میں موجود عورت نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا "تم کون ہو؟" ہم نے جواب دیا۔ "ہم راستہ بھول گئے ہیں اور مجبوراً یہاں آئے ہیں۔" عورت نے کہا "ذرا ٹھہرو۔ میں آپ کے بیٹھنے کا انتظام کروں۔" اس نے بالوں کا بنا ہوا ایک فرش پھیلایا اور

کہا "اندر آکر بیٹھ جاؤ۔ میرا بیٹا آتا ہی ہوگا۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے چند بار خیمہ کا پردہ اٹھا کر بیابان کی طرف نظر کی اور یکایک کہنے لگی۔ "کوئی شخص دور سے آرہا ہے۔ خدا اس کے قدموں کو مبارک کرے۔" تھوڑی دیر بعد پریشانی میں کہنے لگی "آنے والا اونٹ میرے بیٹے کا ہے لیکن جو شخص اس پر سوار ہے وہ میرا بیٹا نہیں۔"

کچھ ہی دیر میں سوار خیمہ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا "اے ام عقیل! خدا تجھے تیرے بیٹے کی موت پر اجر دے۔"

عورت نے پوچھا : کیا میرا بیٹا عقیل مرگیا؟

سوار : ہاں وہ مرگیا ہے۔

عورت : اس کی موت کا سبب کیا تھا؟

سوار : پانی کے کنویں پر اونٹوں نے ایک دوسرے پر دباؤ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں تیرا بیٹا کنویں میں گرگیا۔

عورت : اب اونٹ سے اتر آؤ اور ان مہمانوں کی خاطر مدارات کرو۔ فوراً ہی عورت نے ایک بکری لاکر اس مرد کو دی جس نے اسے ذبح کرکے ہمارے لیے کھانا تیار کردیا اور دسترخوان لگا دیا۔ ہمیں اس عورت کے صبر و تحمل پر نہایت تعجب ہوا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوگئے تو وہ عورت پاس آکر کہنے لگی "کیا آپ میں سے کوئی قرآن پڑھ سکتا ہے؟" میں نے کہا "ہاں! میں پڑھ سکتا ہوں۔"

عورت کہنے لگی "قرآن کی چند آیتوں کی تلاوت کرو کہ میں بیٹے کی موت پر خود کو تسلی دے سکوں۔" میں نے تلاوت شروع کی اور قرآن مجید کی ان آیتوں کو پڑھا۔

و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ" قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمۃ و اولئک ھم المھتدون۔ (سورہ بقر۔ آیت ۱۵۵-۱۵۶)

"صابروں کو خوشخبری دو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلواۃ اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

عورت نے ان آیات کو سن کر تعجب سے پوچھا "خدا کی قسم کھا کر کہو کیا یہ آیت قرآن میں ہے؟"

میں نے کہا "خدا کی قسم یہ آیت جس طرح میں نے پڑھا اسی طرح قرآن میں ہے۔" عورت نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند رکعت نماز ادا کی اور پھر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ بلند کرکے کہنے لگی۔

اللھم انی فعلت ما امرتنی فانجز لی ما وعدتنی بہ

خداوندا! تو نے جو حکم دیا میں نے اس پر عمل کیا۔ (بیٹے کی موت پر صبر کیا) اب تو بھی میرے لیے اپنے وعدے پر عمل کر۔ اس کے بعد وہ مزید

دعاؤں میں مصروف ہوگئی اور کہا ”اگر اس دنیا میں کوئی کسی کے کام آسکتا ہو تو میری یہی خواہش تھی کہ میرا بیٹا میرے کاموں کی دیکھ بھال کے لیے میرے بعد زندہ رہے۔“ ایسے وقت ہم اٹھ کر خیمے سے باہر آگئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے دنیا میں اس سے زیادہ کامل عورت نہیں دیکھی۔(لئالی الاخبار۔ج۱۔ص۳۰۵)

اس نکتے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ خدا پر ایمان اور عقیدہ کے علاوہ وہ کونسی طاقت ہے جو ایک خیمہ نشین عورت کو اس کے اکیلے بیٹے اور سرپرست کی موت پر اس تپتے صحرا میں تسلی دے سکے؟ ذات حق پر اعتماد کے علاوہ وہ کونسی قوت ہے جو بیٹے کی موت پر اس کی اندرونی کیفیات کو قابو کرسکے۔

ایک امریکی دانشور تحریر کرتا ہے۔”مہاتما گوتم بدھ جو ہندوستان کا سب سے بڑا رہنما تھا اگر دعا اور عبادت کے ذریعے مدد طلب نہ کرتا تو کب کا ہلاک ہوچکا ہوتا۔ مجھے یہ بات اس طرح معلوم ہوئی کہ وہ خود کہتا تھا کہ اگر دعا اور عبادت کا سہارا نہ ہوتا تو میں مدتوں قبل دیوانہ ہوچکا ہوتا۔ ہم میں ایسے ہزاروں لوگ اب بھی موجود ہیں جو میرے اس قول کی تصدیق کریں گے۔“(آئین زندگی۔ص۱۸۵)

گناہ عبد و معبود کا رشتہ ختم کردیتا ہے

اب جبکہ خدا کی بارگاہ میں دعا، تضرع اور اس سے رجوع کی اہمیت کا

اندازہ کسی حد تک ہوگیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف خدا سے تعلق ہی انسان کو اطمینان بخشتا ہے۔ نیز اس سے قطع تعلق زندگی کو جہنم میں تبدیل کردیتا ہے تو ہم اپنے اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔

ائمہ معصومین علیہم السلام سے ملنے والی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ ہی وہ خطرناک عوامل ہیں جو ہمیں اس بڑی نعمت سے محروم، خدا سے ہمارے تعلق کو ختم اور توفیق دعا کو ہم سے سلب کرسکتے ہیں۔ ائمہ اطہار علیہم السلام نے اس موضوع کو مختلف انداز سے بیان فرمایا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

كان ابى يقول- ما من شىء افسد للقلب من خطيئته ان القلب ليواقع الخطيئته فلا تزال به حتى تغلب عليه فتصير اعلاه اسفله-(اصول کافی۔ج۳۔ص۳۷۰)

”میرے والد بزرگوار فرماتے تھے گناہ سے بڑھ کر کوئی شئے دل کو تباہ نہیں کرتی کیونکہ دل گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر اس پر اصرار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ گناہ دل پر مسلط ہو کر اسے منقلب کردیتا ہے“۔ دوسری روایت میں فرمایا گیا۔

اذا اذنب الرجل خرج فى قلبه نكته سوداء فان انمحت و ان زاد زادت حتى تغلب على قلبه فلا يفلح بعدها ابدا“ ۔(اصول کافی۔ج۳۔ص۳۷۳)

"جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ ابھرتا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کرے تو دھبہ صاف ہوجاتا ہے۔ اگر اپنے گناہ میں اضافہ کرے تو اس سیاہی میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ سیاہی دل پر مسلط ہوجاتی ہے۔ پھر وہ اس سے نجات نہیں پاسکتا۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔

ان اللہ اوحی الی داود ان ادنی ما انا صانع بعبد غیر عامل بعلمہ من سبعین عقوبتہ باطنیتہ ان انزع من قلبہ حلاوۃ ذکری۔(دارالسلام۔ج۳۔ص۲۰۰)

"خداوند عالم نے جناب داؤد علیہ السلام کو وحی کی میرا جو بندہ اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ستر باطنی سزاؤں میں سے سب سے کمتر سزا یہ ہے کہ اس کے قلب سے اپنے ذکر کی شیرینی کو اٹھالیتا ہوں"۔

جاء رجل الی امیر المومنین علیہ السلام فقال یا امیر المومنین انی قد حرمت الصلواۃ باللیل قال امیر المومنین علیہ السلام انت رجل قد قیدتک ذنوبک۔(علل الشرائع۔ ج۲۔ص۵۱)

ایک شخص نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ میں نماز شب سے محروم ہوں۔ آپ نے فرمایا تو وہ شخص ہے جسے تیرے گناہوں نے قید کر رکھا ہے۔ (اس لیے تمہیں نماز شب کی

توفیق حاصل نہیں۔) اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان الرجل یذنب الذنب فیحرم صلاۃ اللیل و ان العمل السیء اسرع فی صاحبہ من السکین فی اللحم۔(اصول کافی۔ ج۳۔ ص۳۷۴)

"بہ تحقیق جب شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ نماز شب سے محروم ہوجاتا ہے۔ انسان میں برے کام کا اثر گوشت میں چاقو کے اترنے سے زیادہ ہے"۔

علماء دین نے بھی اس بیان کی متعدد تعبیریں پیش کی ہیں۔

ان دونوں حدیثوں میں جملہ عبادات اور نمازوں میں سے نماز شب کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس میں یہ راز پوشیدہ ہو کہ نماز شب خلوص میں دوسرے عبادات سے بڑھ کر ہے کیونکہ دوسری عبادتوں میں ریا، ظاہرداری اور اغراض فاسدہ کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا لیکن نماز شب وہ نماز ہے جس میں خود نمائی اور ریاکاری کا امکان کم ہے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ آخر وہ کونسا جذبہ ہے جو نصف شب کے وقت انسان کو نرم و گرم بستر سے اٹھا دیتا ہے۔ کبھی کبھی سخت سردی میں پانی کے برف کو توڑ کر وضو کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے اور ایسے وقت جب ہر طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے اور لوگ اپنے بستروں میں آرام کی

نیند سو رہے ہوتے ہیں یہی جذبہ انسان کو بارگاہ الٰہی میں راز و نیاز اور تضرع و زاری کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ جذبہ تقرب خدا کی خواہش اور خلوص کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ خدا کی محبت اور اسی کی لگن کے علاوہ کوئی اور ایسی طاقت نہیں جو اسے بیدار کر کے العفو اور استغفار کہنے پر آمادہ کرسکے۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **شرف المومن صلواۃ باللیل.....** (وسایل۔ ج۱۔ ص۵۱۴) "مومن کی شرافت نماز شب ہے۔" جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت میں ریاکاری کی مخالفت میں فرماتے ہیں **الرکعتان فی جوف اللیل احب الی من الدنیا و ما فیھا** ۔(وسایل۔ ج۱۔ص۵۱۶) "میرے نزدیک نصف شب کی دو رکعت نماز' دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' سے محبوب تر ہے۔"

شیخ صدوق علیہ الرحمتہ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ **والذین اذا فعلوا فاحشتہ او ظلموا انفسھم ذکرواللہ فاستغفروا لذنوبھم و من یغفر الذنوب الا اللہ۔۔۔**

(سورۂ آل عمران آیت ۱۳۵-۱۳۶)

"جن لوگوں نے برے کام کیے یا اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ وہ خدا کا ذکر کریں اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور اللہ سے بڑھ کر گناہوں

کا بخشنے والا کون ہے....."

تو ابلیس مکہ کی ایک پہاڑی پر گیا جس کا نام "ثور" تھا اور بلند آواز سے شیاطین کو اپنے پاس بلایا۔ سب اس کے پاس جمع ہوگئے اور کہنے لگے اے ابلیس تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ ابلیس نے جواب دیا خدا کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی ہے اب تم میں سے کون ہے جو اس کے مقابلے پر قیام کرے؟ ان میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا اور اس ذمے داری کو قبول کرنے کی حامی بھری۔

ابلیس نے کہا تو اس کا اہل نہیں۔ دوسرا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے بھی یہی دعویٰ کیا۔ ابلیس نے اس کو بھی یہی جواب دیا کہ تو بھی اہل نہیں۔ یہاں تک کہ "خناس" نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش کیا۔ ابلیس نے پوچھا تم کس طرح اور کیونکر یہ کام کرو گے؟ اس نے جواب دیا میں انہیں وعدے وعید دے کر بھلاؤں گا اور انہیں گناہ کرنے کی ترغیب دوں گا تاکہ وہ گناہ کریں۔ جب وہ گناہ کریں گے تو میں استغفار کو ان کے دل سے بھلا دوں گا۔ ابلیس نے کہا ہاں تو اس کام کے لیے مناسب ہے اور قیامت تک کے لیے اسے ہی کام سپرد کردیا۔(امالی صدوق۔ ص ۴۶۵)

اگر اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ گناہ' انسان کو بدبخت کرنے کے لیے' کس طرح اسے شیطان کے سپرد کردیتا ہے اور آخرکار

کس طرح انسان رحمت خدا سے دور ہو جاتا ہے؟

گناہ قبولیت دعا میں مانع ہے

بزرگان دین نے اس موضوع پر متعدد بار اشارہ کیا ہے کہ اگر انسان کو دعا کی توفیق حاصل بھی ہو جائے تو کس طرح سے گناہ، دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے۔ دعائے کمیل میں ایک مقام پر فرمایا گیا۔

اللھم اغفرلی الذنوب التی تحبس الدعاء

"پروردگارا! میرے ان گناہوں کو بخش دے جو دعا کو قبول ہونے سے روکتے ہیں"۔{بہت ممکن ہے اس مقام پر "حبس دعا" سے مراد وہی عدم توفیق دعا ہو۔ نیز اس لفظ سے پہلے موضوع کی اثبات کے لیے مدد لی جا سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے اس لفظ سے مراد دعا کی توفیق کا سلب کر لینا ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مفہوم دعا کو قبول ہونے سے روکنا ہو۔}

دوسرے مقام پر اسی موضوع کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فاسئلک بعزتک ان لا یحجب عنک دعائی سوء عملی و فعالی - "پروردگار میں تجھ سے تیری عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ میرے کردار کی بدی کو دعا کی قبولیت میں مانع قرار نہ دے"۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان العبد یسئل اللہ الحاجۃ فیکون من شانہ قضاوھا الی

اجل قریب اوالی وقت بطی ء فیذنب العبد ذنبا فیقول اللہ تبارک و تعالی للملک - لا تقض حاجتہ واحرمہ ایاھا فانہ تعرض لسخطی و استوجب الحرمان منی -
(اصول کافی - ج۳ - ص ۳۷۳)

"بندہ خدا سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے تاکہ وہ جلد یا بدیر اسے پورا کردے۔ پھر وہ بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس پر خداوند عالم فرشتے سے فرماتا ہے اس کی حاجت کو پورا نہ کرو اور اسے محروم رکھو کہ وہ میرے غصے کا سبب اور میری بارگاہ سے محرومیت کا سزاوار بنا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا - **المعصیۃ تمنع الاجابۃ** - (غرر الحکم - ص ۳۲) "گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتا ہے"۔

ایک شخص کا امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال

امیرالمومنین علیہ السلام جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے خطبے کے اختتام پر فرمایا - **یا ایھا الناس سبع مصائب نعوذ باللہ منھا - عالم زل، و عابد مل، ومومن خل، ومؤتمن غل، وغنی اقل، وعزیز ذل، وفقیر اعتل-**

"اے لوگو! سات مصیبتیں ایسی ہیں جن سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ عالم جو بھک جائے، وہ عابد جو (عبادت سے) تھک جائے، وہ

مومن جو فقیر ہو جائے، وہ امین جو خیانت کرے، وہ امیر جو غریب ہو جائے، وہ عزیز جو ذلیل ہو جائے اور وہ بے نوا جو بیمار ہو جائے"۔

ایسے میں ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی تعریف و توصیف کے بعد اس نے کہا۔ خداوند عالم نے فرمایا **ادعونی استجب لکم**۔ (سورۂ مومن۔ آیت۶۰) "مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔" پھر کیا بات ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور قبول نہیں ہوتی؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ تمہارے دل آٹھ مقامات پر بے وفائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

۱۔ خدا کو پہچانا لیکن اس کا جو حق تم پر واجب تھا اسے ادا نہ کیا۔ اس لیے اس کی معرفت کام نہ آئی۔

۲۔ پیغمبرؐ خدا پر ایمان لائے لیکن ان کی سنت اور طریقے کی مخالفت کی۔ ان کی شریعت کو کالعدم کردیا۔ ایسی صورت میں تمہارے ایمان لانے کا کیا فائدہ ہوا۔

۳۔ خدا کی کتاب کو جو تمہارے لیے نازل ہوئی، پڑھا لیکن اس پر عمل نہ کیا۔ اس کے متعلق کہا کہ اسے دل و جان سے قبول کرتے ہیں لیکن اس کی مخالفت پر اتر آئے۔

۴۔ تم لوگوں نے کہا ہم جہنم کی آگ سے ڈرتے ہیں لیکن ہر حال میں گناہوں کے ارتکاب کے ذریعے جہنم ہی کی طرف بڑھتے رہے۔ پھر اس

ڈرنے سے کیا حاصل؟

۵۔ تم نے کہا ہم جنت کے دلدادہ ہیں لیکن ہر حال میں تم نے وہ کام انجام دیئے جو تمہیں جنت سے دور کرتے ہیں۔ پھر جنت سے دلدادگی کے کیا معنی؟

۶۔ اپنے معبود کی نعمت کو کھایا لیکن اس کا شکر ادا نہ کیا۔

۷۔ خدا نے تمہیں شیطان کی دشمنی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا **ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا**" ۔(سورۂ فاطر۔ آیت۶) "شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن رکھو۔" لیکن تم نے زبان کی حد تک اسے دشمن رکھا لیکن عملاً اس سے دوستی کی۔

۸۔ تم لوگوں کے عیوب گنواتے رہے لیکن اپنے عیوب سے چشم پوشی کی۔ درنتیجہ تم ایسے شخص کو ملامت کرتے ہو جس سے زیادہ تم خود ملامت کے سزاوار ہو۔

فای دعاء یستجاب لکم مع هذا وقد سددتم ابوابه وطرقه فاتقوا الله واصلحوا اعمالکم واخلصوا سرائرکم وامروا بالمعروف و انهوا عن المنکر فیستجیب الله دعائکم۔

"ان حالات میں تمہاری کونسی دعا قبول ہوگی؟ حالانکہ تم نے خود دعا کے دروازوں اور ان کے راستوں کو بند کردیا ہے۔ پس خدا سے ڈرو، اپنے امور کی اصلاح کرو۔ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو تاکہ خدا

تمہاری دعا کو قبول کرے"۔(بحار الانوار۔ ج ۹۳۔ ص ۳۷۶-۳۷۷)

گنہگار بارگاہ خداوندی میں کس طرح پیش ہو؟

اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ جب خدا سے کچھ مانگنا ہو تو سب سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار کرو اور ان کے لیے بخشش کی دعا کرو۔ اس کے بعد اپنی حاجات کو پیش کرو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمودات

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرف یاب ہو کر عرض کی۔ میں قرآن مجید کی دو آیتوں کی تاویل اور اس کے مفہوم کو نہ سمجھ سکا۔ فرمایا وہ کونسی آیتیں ہیں؟ عرض کی ایک آیت یہ ہے

ادعونی استجب لکم ۔(سورہ مومن۔ آیت ۶۰) "مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

دوسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے **و ما انفقتم من شیء فھو یخلفہ و ھو خیر الرازقین** ۔(سورہ سبا۔ آیت ۳۹) "جو کچھ تم انفاق کرو گے پس خدا تمہیں اس کا عوض دے گا۔ وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔" میں انفاق کرتا ہوں لیکن مجھے اس کا صلہ نہیں ملتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ خدا نے وعدہ خلافی کی؟

سائل نے عرض کی۔ نہیں۔

فرمایا۔ پھر کیا وجہ ہے؟

سائل نے عرض کی۔ مجھے نہیں معلوم۔

فرمایا۔ اب میں تجھے اس کا راز بتاتا ہوں۔ اگر تم خدا کے احکام کی اطاعت کرو اور پھر اسے پکارو تو وہ یقیناً قبول کرے گا۔ لیکن تم نے اس کی مخالفت پر عمل کیا۔ لہٰذا اس نے بھی تمہاری دعا قبول نہ کی۔ اب رہ گئی تمہاری یہ شکایت کہ انفاق کرتے ہو اور صلہ نہیں ملتا تو جان لو کہ اگر تم نے مال حلال کی کمائی سے حاصل کیا اور اسے اس کے مقام پر انفاق کیا تو انفاق کیے جانے والے ہر درھم کا خداوند عالم کی طرف سے صلہ ملے گا۔ پھر فرمایا۔ اگر خدا کو خدا کے بتائے ہوئے طریقے سے پکارو تو گنہگار ہونے کے باوجود وہ تمہاری دعا کو قبول کرے گا۔

سائل نے سوال کیا۔ تو پھر دعا کا طریقہ کیا ہے؟

فرمایا۔ نماز کے بعد خدا کی ستائش کرو۔ اس کی کبریائی اور بزرگی کا اقرار کرو۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی تعریف و توصیف کرو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجو۔ ان کی رسالت کی گواہی دو اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام پر درود بھیجو۔ پھر خدا کی نازل کی ہوئی نعمتوں کا ذکر کرو اور ان کے لیے اس کا شکر بجا لاؤ۔ بعدہ ایک ایک کرکے اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ جن گناہوں کے متعلق تمہیں علم نہیں ان کا دبی زبان سے ذکر کرو۔ بارگاہ خداوندی میں ان سب گناہوں سے توبہ کرو اور ارادہ کرلو کہ اب دوبارہ ان گناہوں کی تکرار نہ کرو گے۔ کمال ندامت، پشیمانی، صدق

نیت، خلوص اور امید و بیم کی کیفیت میں استغفار کرو اور یوں کہو۔

اللھم انی اعتذر الیک من ذنوبی و استغفرک و اتوب الیک فاعنی علی طاعتک و وفقنی لما اوجبت علی من کل ما یرضیک، فانی لم اراحدا" شیئا" من طاعتک الا بنعمتک علیہ قبل طاعتک؛ فانعم علی بنعمتہ انال بہ رضوانک و الجنتہ۔

"پروردگار میں تیری بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں تو بھی مجھے توفیق عنایت کر کہ میں تیری اطاعت کرسکوں۔ جو کچھ تو نے مجھ پر واجب کیا اور جو کچھ تیری خوشنودی کا موجب ہے اس پر مجھے ثابت قدم رکھ کیونکہ میں نے کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جو تیری اطاعت میں کامیاب ہو مگر یہ کہ اس نعمت کے ساتھ جو تو نے اپنی اطاعت سے پہلے اسے بخشی ہے۔ پس تو مجھے اس نعمت سے نواز دے جس کے ذریعے میں تیرے رضوان کو پاسکوں"۔

پھر اپنی حاجت طلب کرو۔ مجھے امید ہے خدا اس وقت تمہیں مایوس نہ کرے گا (حاجت بر لائے گا)۔ کتب احادیث میں ایسی متعدد روایات موجود ہیں جو گنہگار کو پرامید کرتی ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ گنہگار دعا اور اس کی قبولیت سے مایوس ہوجائے۔(فلاح السائل۔ ص۳۸-۳۹)

اس حدیث پر توجہ فرمائیں

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "بنی اسرائیل کا ایک شخص تین سال سے دعا کر رہا تھا کہ خدا اسے بیٹا دے دے۔ (لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوتی تھی)۔ جب اس نے دیکھا کہ خدا اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا تو اس نے عرض کی۔ پروردگارا! کیا میں تجھ سے اتنا دور ہوں کہ تو میری آواز کو نہیں سنتا۔ یا تو مجھ سے نزدیک ہے لیکن مجھے جواب نہیں دیتا؟ چند دن بعد اس نے خواب میں دیکھا کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ تو نے تین سال تک مسلسل بدزبانی اور فحش کلامی سے، سرکش اور ناپرہیزگار دل سے اور بری نیت کے ساتھ خدا کو پکارا۔ اب تجھ پر لازم ہے کہ بدزبانی سے باز آجاؤ۔ دل کو پرہیزگاری کی طرف مائل کرو اور اپنی نیت نیک رکھو۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ پھر خدا کو پکارا تو خدا نے اسے اولاد نرینہ سے نوازا۔"(اصول کافی۔ ج۴۔ص۱۶)

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کی قبولیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ گناہ ہے۔ اب ہم ان چند گناہوں کا تذکرہ کریں گے جو فرمان امام علیہ السلام کے مطابق دعا کو قبول ہونے سے روکتے ہیں۔

امام سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

والذ نوب التی ترد الدعاء و تظلم الھواء عقوق الوالدین۔ (معانی الاخبار۔ ص۲۷۰)

"ماں باپ کی نافرمانی ان گناہوں میں سے ہے جو دعا کو واپس لوٹاتی ہیں اور فضا کو تاریک کرتی ہیں۔ (کوئی بعید نہیں کہ فضا کو تاریک کرنے سے مراد قبولیت دعا میں رکاوٹ ہو۔ جیسا کہ دعائے کمیل میں مراد لیے گئے ہیں) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

والذنوب التی ترد الدعاء سوء النیتہ و خبث السریرتہ' والنفاق مع الاخوان' و ترک التصدیق بالاجابتہ' و تاخیر الصلوات المفروضات حتی تذھب اوقاتھا و ترک التقرب الی اللہ عزوجل بالبر والصدقتہ' واستعمال البذاء والفحش فی القول۔ (معانی الاخبار۔ ص۲۷۱)

"وہ گناہ جو دعا کو واپس لوٹا دیتے ہیں ۔ نیت کی بدی' بدطینتی' برادران ایمانی کے ساتھ نفاق' اجابت دعا پر یقین نہ رکھنا' واجب نمازوں میں تاخیر کرنا یہاں تک کہ اس کا وقت گزر جائے' نیکی اور صدقہ کے ذریعے خدائے عز و جل سے نزدیک نہ ہونا' بدزبانی اور فحش کلامی"۔ نقل کی گئی روایت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ بنیادی طور پر گناہ دعا کی

استجابت کی راہ میں حائل ہے۔

دعا کی قبولیت کی دیگر شرائط

بعض افراد کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ صرف گناہ ہی قبولیت دعا کی راہ میں حائل ہے۔ نیز یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر بے گناہ یا معصوم افراد کی دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں یا قبولیت میں تاخیر ہوجاتی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اجمالی طور پر کچھ ایسی شرائط کی طرف اشارہ کریں گے جو دعا کے قبول ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اس طرح ہم اس سوال کا جواب دینے کے ساتھ اس سلسلے میں وضاحت بھی پیش کرسکیں گے۔ اگر ہم اس موضوع کے تحت جملہ آیات' روایات اور بزرگان دین کے فرمودات کو یہاں بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت پڑے گی۔ نیز یہ ہمارے موضوع سے خارج ہوگی۔ اس لیے ہم صرف اجمالی اشارہ اور مختصر تفصیل پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ قبولیت دعا کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ انسان قلب کی گہرائی سے کسی چیز کو خدا سے طلب کرے اور دعا صرف رسمی جملوں کی ادائیگی تک محدود نہ ہو۔ بعض اقوال کے مطابق انسان کا وجود درحقیقت شئے کی ضرورت کا احساس کرے اور اس کے وجود کے ذرے ذرے میں اس شئے کی طلب پیدا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کو طلب کر رہا

ہے وہ اس کی حقیقی، حاجت کا آئینہ دار ہو یا سادہ الفاظ میں یوں کہیے کہ جس چیز کو مانگ رہا ہے اس میں دل اور زبان دونوں اس کا ساتھ دیں۔

قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ سے موضوع کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ رب العالمین فرماتا ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء۔(سورہ نحل۔ آیت ۶۲)

"کون ہے جو مضطر کی فریاد کو پہنچے اور اس کی پریشانی دور کرے جب وہ پکارے"۔یعنی طلب کی صحیح خواہش اس کے وجود میں اس وقت پیدا ہوگی جب وہ اضطرار اور بیکسی کی کیفیت میں ہو اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے خدا سے مدد چاہے۔قرآن مجید کی اس آیت سے جو دعا کی ضرورت کا احساس دلاتی اور اس کے لیے ہمت افزائی کا سامان بہم پہنچاتی ہے، اس موضوع کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ رب جلیل فرماتا ہے۔

و اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیومنو بی لعلھم یرشدون۔

(سورہ بقر۔ آیت۱۸۶)

"جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں (تو کہہ دو کہ) میں ان کے قریب ہوں۔ اور جب مجھ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو میں ہر دعا کرنے والے کی دعا (سن لیتا ہوں) قبول کرلیتا ہوں پس انہیں چاہیے کہ میرا ہی

کہا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھی راہ پر آجائیں"۔

دور حاضر کے ایک مفسر کے مطابق "اذا دعان" کے الفاظ کے ساتھ کلام کو قید کرلینا اس امر پر دلیل ہے کہ دعا کی قبولیت اس پر مشروط ہے کہ مانگنے والا حقیقت میں دل سے کوئی چیز مانگے اور طلب فطری اور حقیقی ہو۔ صرف زبانی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ سے کہا جائے اکرم العالم اذا کان عالما" (عالم کے ساتھ اکرام کرو اگر عالم ہو۔) یہاں "اگر عالم ہو" کی قید اس وجہ سے ہے کہ اگر شخص درحقیقت عالم ہو تو اس سے اکرام کیا جائے۔ اس آیہ مبارکہ میں "اذا دعان" کے الفاظ اسی مفہوم کو روشن کرتے ہیں کہ اگر قلب کی گہرائی سے مجھے پکارے تو میں قبول کروں گا۔ روایات میں ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مختلف مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے، جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اللہ لا یستجیب دعاء بظھر قلب ساہ فاذا دعوت فاقبل بقلبک ثم استیقن الاجابتہ ۔(بحار الانوار۔ ج۹۳۔ص۳۰۵)

خداوند تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو ایک غافل اور بے خبر دل سے نکلے۔ دعا کرتے وقت دل کی گہرائی سے مانگو (دل و زبان ایک دوسرے کے ہم آواز ہوں) پھر قبولیت کی طرف سے مطمئن رہو۔ایک اور روایت

میں فرمایا گیا۔

اذا دعوت فاقبل بقلبک وظن حاجتک بالباب ۔(بحار الانوار۔ ج۹۳۔ ص۳۰۵) "اگر دل کی گہرائی سے دعا کرو گے تو اطمینان رکھو کہ تمہاری حاجت دروازہ پر ہے (اس کی اجابت پر مطمئن رہو)" اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اذا اراد احدکم ان لایسئل ربہ شیئا" الا اعطاہ فلییاس من الناس کلھم ولایکون لہ رجاء الا من عنداللہ فاذا علم ذلک من قلبہ لم یسئلہ شیئا" الا اعطاہ (عدۃ الداعی۔ ص۹۷) "اگر تم میں سے کسی کی خواہش یہ ہو کہ وہ جو خدا سے مانگے خدا اسے عطا کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ لوگوں سے مایوس ہوجائے اور سوائے خدا کے کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔ جب خدا کو اس کی حالت کا علم ہوگا تو وہ جو مانگے گا اسے ملے گا"۔ ان تمام تعبیرات اور روایات کا مقصد یہ ہے کہ دعا کرتے وقت سب کی زبان اور دل میں ہم آہنگی پائے جائے۔

ملا رومی فرماتے ہیں ۔

ہرچہ روئید ازپی محتاج رست　　تا بیابد طالبی چیزی کہ جست
ہرکہ جویاشد بیابد عاقبت　　مایہ اش درد است واصل رحمت
ہرکجا دردی دوا آنجا رود　　ہرکجا پستی است آب آنجا رود

آب کم جو تشنگی آور بدست　　تابجوشد آبت از بالا و پست
تا نزاید طفلک نازک گلو　　کی روان گردد ز پستان شیر او

دعا محنت اور کوشش کا نعم البدل نہیں

دعا کی دوسری شرط یہ ہے کہ ہمارا مطلوب ہمارے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ ہماری دسترس سے خارج ہو۔ لیکن اگر کسی کام کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہو تو یہاں صرف دعا اثر نہ کرے گی کیونکہ دعا قوت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ دعا کام یا کوشش کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ دعا اس لیے نہیں ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے، اس امید پر بیٹھے رہیں کہ دعا سے تمام کام ہوجائیں گے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

الداعی بلا عمل کالرامی بلا وتر ۔(بحار الانوار۔ ج۹۳۔ ص۳۱۲) "جو شخص دعا مانگے لیکن عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کمان کے بغیر تیر پھینکا جائے"۔

اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر کام کے لیے اسباب وعلل قرار دیئے ہیں۔ ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ فطری تقاضوں کے برعکس صرف دعا سے کوئی کام انجام پا جائے گا۔ شادی نہ کرنے والا شخص بیوی کے بغیر اگر خدا سے اولاد کی دعا مانگے تو ظاہر ہے خدا اسے اولاد نہیں دے گا۔ یا اگر شادی تو کی ہو لیکن ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے ہوں

تو اس صورت میں بھی صرف دعا کام نہ آئے گی۔ لیکن اگر ایسا شخص شادی کرے اور ازدواجی تعلقات بھی قائم کرے۔ اس کے بعد اس پر لازم ہے کہ اس چیز کے لیے خدا سے دعا مانگے جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔

یا پھر اس کسان کی مثال لے لیجئے جو خزاں اور سردی کے دنوں میں گھر بیٹھے۔ نہ زمین میں ہل چلائے، نہ بیج ڈالے اور نہ ہی پانی دے لیکن مسلسل دعا کرتا رہے اور پھر بہار اور گرمی کے دنوں میں فصل کے پکنے کا انتظار کرے۔ کتب احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ پروردگار عالم چند افراد کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اربعة لا يستجاب لهم دعاء رجل جالس فی بيته يقول يارب ارزقنی فيقول له الم امرک بالطلب؟ و رجل كانت له امراة فدعا عليها فيقول الم اجعل امرها بيدک؟ و رجل كان له مال فافسد فيقول يارب ارزقنی فيقول له الم امرک بالاقتصاد الم امرک بالاصلاح ثم قرا والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتدوا و كان بين ذالک قواما" و رجل كان له مال فاداه بغير بينته فيقول الم امرک بالشهادة - (بحار الانوار- ج ۹۳- ص ۳۶۰)

چار قسم کے افراد کی دعا قبول نہیں ہوتی -

۱۔ جو شخص گھر بیٹھے کہے خدایا مجھے روزی دے۔ خدا اسے فرمائے گا۔ کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا کہ روزی کی تلاش میں جاؤ؟

۲۔ جس مرد کے گھر میں بیوی ہو اور وہ خدا سے دعا کرے کہ پروردگارا مجھے عورت کے شر سے محفوظ رکھ۔ خدا اس سے کہے گا کیا اس کو طلاق دینے کا اختیار تمہیں حاصل نہیں؟

۳۔ جس شخص کے پاس مال ہو اور وہ اسے بے سبب برباد کرے اور پھر کہے کہ خدایا مجھے روزی دے۔ خدا اس سے فرمائے گا کیا میں نے اخراجات میں اعتدال اور مال کے اسراف نہ کرنے کا حکم نہ دیا تھا؟

۴۔ جو شخص اپنے مال کو بغیر گواہ اور سند کسی کو قرض دے (مقروض مال کو واپس کرنے سے انکار کردے اور قرض دہندہ خدا سے مدد طلب کرے۔) خدا اس سے کہے گا کیا میں نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ گواہ اور سند کے بغیر کسی کو قرض نہ دو؟

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں جن افراد کی دعا کو خدا قبول نہ کرے گا ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو ٹوٹی ہوئی دیوار کے نیچے بیٹھ کر دعا کرے کہ یہ دیوار اس پر نہ گرے۔ (خصال صدوق- ج ۱- ص ۱۹۹)

یہ بات واضح ہے کہ درج بالا مطالب صرف مثالیں ہیں جن کا مقصد اس امر کو واضح کرنا ہے کہ دعا، عمل کا نعم البدل نہیں۔ جہاں انسان عمل کے ذریعے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے، وہاں لازم ہے کہ صرف دعا پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ دعا تو عمل کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان عمل کو بجا لائے اور پھر اس کی خیر و خوبی کے لیے خدا سے دعا کرے۔ جیسے کسان زمین میں ہل چلائے، بیج ڈالے اور پانی سے زمین کو سینچے۔ اس کے بعد فصل کی کامیابی، آفات سے نجات اور اس میں خیر و برکت کے لیے جو اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، خدا سے دعا کرے اور اسی پر بھروسہ رکھے۔

اگر ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی پاک سوانح حیات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے جہاں تک ممکن ہو سکا صرف دعا ہی پر بھروسہ نہ کیا بلکہ ان مقامات پر دعا فرماتے جہاں امور ان کے اختیار سے باہر ہوتے....

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنگ بدر میں تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں کے ساتھ جن کی اکثریت غریب تھی اور ان کے پاس ضروری سامان جنگ تک نہ تھا، دشمن کے نو سو پچاس مسلح افراد کے لشکر کے سامنے صف آراء ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ممکنہ طریقے سے جنگی منصوبہ بندی کو مکمل کیا۔ خود نے بھی جنگی لباس زیب تن کیا اور ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ سردار لشکر کی مانند میدان میں تشریف لائے۔ جملہ ضروری کارروائیوں کے بعد آخر میں فتح و نصرت کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی۔ خدا نے بھی مسلمانوں کو عظیم فتح سے ہمکنار کیا۔ اسی طرح آپؐ خندق، خیبر اور اسلام کی دوسری جنگوں میں ہر اس کام کو بجا لائے جو ان کے اختیار میں ہوتا اور پھر بعد میں دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے.....

خلوص اور طہارت قلب، دعا کے لیے ضروری ہیں

دعا کی جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ دعا کرنے والا طہارت قلب، خلوص نیت، ایمان، کامل رغبت اور قبولیت کے یقین کے ساتھ بارگاہ الٰہی سے رجوع کرے۔ جیسا کہ گزشتہ ایک روایت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کی دعا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی فرمایا۔ جو چیزیں قبولیت دعا کا راستہ روکتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دعا کی قبولیت پر یقین نہ ہو۔

متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ دعا نماز کے بعد مستجاب ہوتی ہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔

من ادی فریضتہ" فلہ عند اللہ دعوۃ مستجابتہ۔(بحار الانوار۔ ج ۹۳۔ ص ۳۴۴)"جو شخص ایک نماز واجب پڑھے تو گویا بارگاہ خداوندی میں اس کی ایک دعا قبول ہوگئی"۔ امام الصادق علیہ السلام نے

فرمایا -

اذا رق احدکم فلیدع فان القلب لایرق حتی یخلص - (مکارم الاخلاق - ص ۳۱۵) "اس وقت دعا کرو جب دل پر رقت طاری ہو کیونکہ دل اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک پاک اور خالص نہ ہو"-

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں فرماتے ہیں -

اغتنموا الدعاء عند الرقتہ فانھا رحمتہ - (بحار الانوار - ج۹۳ - ص۳۴۷) "جب دل ٹوٹا ہوا ہو اس وقت دعا کو غنیمت جانو کہ وہ باعث رحمت ہے"- امام الصادق علیہ السلام دعا کی قبولیت کے یقین سے متعلق فرماتے ہیں - **اذا دعوت فظن حاجتک بالباب** - (بحار الانوار - ج۹۳ - ص۳۴۷)

"جب دعا کرو تو یہ فرض کرلو کہ تیری حاجت دروازے پر ہے"-

اس سلسلے میں بہت سی دوسری احادیث بھی موجود ہیں- بہت ممکن ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہو-

ثلاث دعوات مستجابات لاشک فیھن - دعوۃ المظلوم و دعوۃ المسافر و دعوۃ الوالد علی ولدہ - (بحار الانوار - ج۹۳ - ص۳۴۷) "قبول ہونے والی دعائیں تین ہیں جن میں کوئی شک

نہیں- مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اولاد کے حق میں"-

دوسری احادیث میں روزہ دار، راہ خدا میں لڑنے والے سپاہیوں، حاجیوں اور بیماروں کی دعا کو بھی اسی فہرست میں شامل کیا یا پھر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے- شاید ان کے ذکر سے مراد خلوص اور پاکی قلب کی طرف اشارہ کرنا ہو، جو دعا کے لیے ضروری ہیں- کیونکہ حدیث میں مذکور بیمار، حاجی، روزہ دار، مظلوم اور ان جیسے دوسرے افراد زیادہ خلوص اور پاکی قلب کے ساتھ بارگاہ خدا میں حاضری دیتے ہیں-

الہی سینہ ای دہ آتش افروز — در آن سینہ دلی وان دل ہمہ سوز
ہر آن دل را کہ سوزی نیست دل نیست — دل افسردہ غیر از آب و گل نیست
دلم پر شعلہ گردان سینہ پردرد — زبانم را بگفتن آتش آلود
سخن کز سوز دل تابی ندارد — چکد گر آب ازاو آبی ندارد
دلی افسردہ دارم سخت بی نور — چراغی زو بغایت روشنی دور
بدہ گرمی دل افسردہ ام را — فروزان کن چراغ مردہ ام را

دعا سے متعلق چند نکات کی وضاحت

۱- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دعا کی تمام شرائط پوری کرنے کے بعد بھی دعا کی قبولیت ہمارے یا دوسروں کے مفاد میں نہیں ہوتی کیونکہ ہمیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ کونسی شئے ہمارے یا معاشرے کے لیے مفید ہے اور کونسی شئے مضر- اس حقیقت کا علم نہ رکھنے کے باوجود ہم اپنی طلب پر اصرار

کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر حقیقت حال ہم پر روشن ہوجائے تو ہم اس شئے
کی طلب نہ کریں گے۔ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

**عسی ان تکرھوا شیئا" وھو خیر لکم و عسی ان تحبوا
شیئا" وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔**(سورہ
بقرہ۔ آیت۲۱۶)

"عجب نہیں کہ تم کسی شئے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو
اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور
خدا تو جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے"۔

۲۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم خدا سے کچھ مانگتے ہیں۔ دوسرا بھی ہمارے
مقابلے پر اس کی ضد کو طلب کرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی
صورت میں خدا کیا کرے۔ ہماری دعا کو قبول کرے یا اس دوسرے شخص
کی۔

اس حدیث پر توجہ فرمائیں

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا
جس کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے ایک لڑکی کی شادی کسان سے اور
دوسری کی شادی کمہار سے کردی۔ ایک دن وہ اپنی دونوں لڑکیوں سے ملنے
کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ سب سے پہلے اس بیٹی سے ملاقات کی جو
کسان سے بیاہی گئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

لڑکی نے جواب دیا ۔ میرے شوہر نے زمین پر سخت محنت کی ہے۔
اب اگر خداوند عالم آسمان سے بارش برسا دے تو ہماری اقتصادی حالت
بنی اسرائیل میں سب سے بہتر ہوجائے گی۔

وہ شخص وہاں سے فارغ ہو کر اس بیٹی سے ملنے گیا جو کمہار کی بیوی
تھی۔ اس نے پوچھا۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

بیٹی نے جواب دیا ۔ میرے شوہر نے بڑی مقدار میں صراحیاں تیار کی
ہیں۔ اگر خدا بارش نہ برسائے (اور کھل کر دھوپ نکلے) تو بنی اسرائیل
میں ہماری حالت سب سے بہتر ہوجائے گی۔

وہ شخص وہاں سے نکل کر کہنے لگا ۔ پروردگار تو میری دونوں بیٹیوں کا
خدا ہے (یعنی اے خدا تو جانے اور تیری مصلحت)۔(روضہ کافی۔
ج۱۔ ص۱۲۲)

۳۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور قبول بھی ہوتی ہے۔ لیکن
بعض مصلحتوں کی بناء پر اس کے روبہ عمل آنے میں تاخیر ہوجاتی ہے۔
لیکن ہم اپنی شتابانہ کیفیت میں چاہتے ہیں کہ دعا فوراً قبول ہوجائے۔ اس
امر کی دلالت میں بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ منجملہ ان مثالوں کے
حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کا قصہ ہے جس میں دونوں بارگاہ رب
العزت میں یوں دعا کرتے ہیں۔

"پروردگار کیا تو نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اس دنیا میں مال

و متاع سے اس لیے نوازا کہ وہ خلق خدا کو تیرے راستہ سے گمراہ کریں۔ اے خدا تو ان کے مال و متاع کو نیست و نابود کردے۔ ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور یوں تیرے دردناک عذاب کا مزا چکھیں۔" (سورۂ یونس۔ آیت۸۸) خدا نے ان کے جواب میں فوراً فرمایا۔ **قد اجیبت دعوتکما** "میں نے تم دونوں کی دعا کو قبول کیا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اس دعا اور فرعون کے غرق ہونے کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ تھا۔

بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ ممکن ہے کہ دعا اور اس کی اجابت میں بیس برس یا اس سے کچھ کم یا زیادہ وقت لگ جائے۔ (بحار الانوار۔ ج۹۳۔ ص۳۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک قصہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام کوہ بیت المقدس میں اپنی بکریوں کے لیے چراگاہ کی تلاش میں گھوم رہے تھے کہ ناگاہ کان میں ایک آواز آئی۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بندۂ خدا! کس کے لیے نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ آسمان کے خدا کے لیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: کیا تیری قوم و قبیلے سے کوئی شخص زندہ ہے؟

عابد: نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: پھر کھانا کہاں سے کھاتے ہو؟

عابد: گرمیوں میں اس درخت سے میوے چنتا ہوں اور سردی میں اسے کھاتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: تیرا گھر کہاں ہے؟

عابد نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں آج رات تیرے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

عابد: ہمارے راستے میں پانی ہے جسے عبور نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: پھر تو کس طرح پانی کے پار جاتا ہے؟

عابد: میں اس کے اوپر چلتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل۔ شاید خدا نے جو روزی تیرے لیے مقرر کی ہے، وہ میرے لیے بھی نصیب کرے۔ عابد نے جناب ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ تھاما اور دونوں روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پانی کے کنارے پہنچ گئے۔ عابد نے پانی پر چلنا شروع کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ جب اس شخص کے گھر پہنچے تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔ کونسا دن سب سے طویل ہے؟

عابد: روز جزا۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے جواب طلبی کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: آؤ! ہاتھوں کو بلند کریں کہ خدا ہمیں اس روز کے شر سے محفوظ رکھے۔

عابد: میری دعا سے آپ کا کیا کام؟ خدا کی قسم تین سال سے خدا سے دعا کر رہا ہوں لیکن قبول نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: کیا میں تجھے بتاؤں کہ تیری دعا کیوں مقید ہو گئی؟

عابد: فرمایئے اس کا کیا سبب ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام: جب خداوند تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کی دعا کو روک لیتا ہے تاکہ وہ اسی طرح راز و نیاز کرتا رہے اور اس سے مانگتا رہے اور جب اپنے کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی دعا کو جلد قبول کرتا ہے یا اس کے دل میں مایوسی پیدا کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ اب بتاؤ تمہاری دعا کیا تھی؟

عابد: بکریوں کا ایک گلہ میرے پاس سے گزرا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا جس کے گیسو طویل تھے۔ میں نے اس سے کہا۔ لڑکے یہ بکریاں کس کی ہیں؟ کہنے لگا۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ہیں۔ میں نے دعا کی کہ خداوندا! اگر زمین پر تیرا کوئی خلیل ہے تو اسے مجھ سے ملا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: خدا نے تیری دعا قبول کی۔ میں ہی ابراہیم خلیل اللہؑ ہوں۔ عابد یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ایک

دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔(امالی صدوق۔ص۲۹۷)

باب کے اختتام پر اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ درج بالا حدیث اور دوسری احادیث سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی حالت میں دعا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے دعا قبول ہو یا مذکورہ موانع کی وجہ سے قبول نہ ہوئی ہو یا قبولیت میں تاخیر ہو رہی ہو کیونکہ اول تو دعا ازخود ایک عبادت ہے۔ دوسری بات یہ کہ دعا ہر حالت اور شکل میں، خواہ گنہگار ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو، جسم و جان اور اعضاء و جوارح پر اثر رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر وہی دعا، جو قبول نہ ہوئی ہو، آگے چل کر اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ دعا، دنیا کے ان اعمال میں سے ایک ہے جس کے اثرات دوسرے اعمال کی مانند کبھی ختم نہیں ہوتے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

رحم اللہ عبداً" طلب من اللہ حاجتہ والح فی الدعاء استجیب لہ ام لم تستجب۔(اصول کافی۔ج۴۔ص۲۲۴)

"خدا اس بندے پر رحمت نازل کرتا ہے جو اپنی حاجت کو خدا سے طلب کرے اور دعا پر کاربند رہے۔ خواہ اس کی حاجت پوری ہو یا نہ ہو"۔

ایک مزید حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ مامن مسلم یدعوا اللہ

بدعاء الا یستجیب لہ فاما ان یعجل فی الدنیا واما ان یدخر للاخرۃ و اما ان یکفر من ذنوبہ۔(بحار الانوار۔ ج۹۳۔ص۳۷۸)

"کوئی ایسا مسلمان نہیں جو خدا سے دعا کرے مگر یہ کہ اس کی یہ دعا قبول ہو۔ خواہ اسے دنیا میں ملے، اس کی آخرت کا ذخیرہ بن جائے یا اس کے گناہوں کا کفارہ قرار پائے"۔ الیکسس کارل اپنی کتاب میں ایک دانشور کے حوالے سے نقل کرتا ہے جس نے کہا ہے کہ "کوئی شخص ایسا نہیں جس نے کسی وقت دعا نہ کی ہو مگر یہ کہ قبولیت پاگئی ہو۔" (نیایش۔ص۵۱)

وہ ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے ۔"جو شخص اپنی کسی بیماری کی شفا کے لیے دعا کرے لیکن بیماری دور نہ ہو تو اس کے عوض اسے ایک عمیق اور ناقابل وصف اخلاقی اور روحی مقام حاصل ہوتا ہے۔" (نیایش۔ص۵۲)

وہ ایک اور مقام پر کہتا ہے ۔یہ ناممکن ہے کہ کوئی مرد یا عورت ایک لمحہ کے لیے بھی دعا کرے اور اس سے کوئی مفید اور مثبت نتیجہ حاصل نہ ہو۔(آئین زندگی۔ ص۱۸۶)

کتب احادیث میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ "خدا جس مومن بندے کی آواز کو دوست رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بندہ اس کی بارگاہ میں مسلسل فریاد کرے، تو اس کی دعا کو تاخیر سے قبول کرتا ہے۔" (اصول کافی۔ ج۴۔ ص۲۴۳۔۲۴۷)

یہ حدیث اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ دعا کی قبولیت میں تاخیر، دعا کے تکرار کا موجب بنتی ہے جس کے نتیجے میں دعا کرنے والے کو روحی اور ایمانی تقویت حاصل ہوتی ہے۔

نالہ مومن همی داریم دوست　　گو تضرع کن که این اعزاز اوست
حاجت آوردش ز غفلت سوی من　　آن کشیدش موکشان تاکوی من
گر برآرم حاجتش اورا رود　　هم در آن بازیچه مستغرق شود

مختصراً یوں کہہ لیجیے کہ خدا جس بندے کو دوست رکھتا ہے اسے اپنی درگاہ کا نیازمند کردیتا ہے تاکہ اس کی "یارب" اور "یااللہ" کی آواز قطع نہ ہو اور اس کا رشتہ اپنے رب سے برقرار رہے۔ لیکن جس شخص کو دوست نہیں رکھتا اس کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہے تاکہ اس کی صدا خاموش اور رب سے اس کا تعلق ختم ہوجائے۔ اس موقع پر تبرکاً" امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امام فرماتے ہیں ۔"جو بندہ خدا کا دوست ہو اور ہر رونما ہونے والے واقعہ پر خدا سے دعا کرے تو خدا اس فرشتے سے جو اس کی حاجت روائی پر موکل ہو، فرماتا ہے میرے بندے کی حاجت کو پورا کر لیکن اس میں جلدی نہ کر کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی آواز کو مسلسل سنتا رہوں۔ اور جو بندہ خدا کا دشمن

ہو اور وہ اپنے لیے دعا کرے تو اس کی حاجت پر مامور فرشتے سے فرماتا ہے اس کی حاجت کو پورا کرو۔ اس کی حاجت روائی میں عجلت کرو کہ مجھے اس کی آواز کا سننا پسند نہیں۔" (اصول کافی۔ ج ۴۔ ص ۲۴۶)

مومن کے مصائب کے راز سے متعلق روایات میں وارد ہے کہ "مومن کا ایمان جسقدر قوی ہوتا جائے گا اس کے مصائب میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔" یا پھر یہ کہ "خدا جس بندے کو دوست رکھتا ہے اسے بلاؤں میں مبتلا کردیتا ہے۔" (اصول کافی۔ ج ۳۔ ص ۳۵۱۔ باب شدت ابتلاء مومن)

کوئی بعید نہیں کہ شاید ان روایات سے یہ مفہوم مراد ہو کہ خدا اپنے بندے کو بلاؤں اور مصائب میں مبتلا کرکے اسے اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس بندے کا تعلق اس کی بارگاہ سے قطع نہ ہو۔

مولوی کہتا ہے۔

خلق را باتو همه بدخو کند   تاتو را رو جانب آنسو کند
این جفای خلق برتو در جهان   گر بدانی گنج زر آمد نهان
بنده می نالد بحق از درد خویش   صد شکایت می کند از رنج و نیش
حق همی گوید که آخر رنج و درد   مر ترا لابه کنان و راست کرد
در حقیقت هر عدو داروی تست   کیمیای نافع و دلجوی تست
که ازاو اندر گریزی در خلا   استعانت جوئی از فضل خدا

☆-----☆-----☆

هست حیوانی که نامش اسفراست   کو بزخم چوب زفت و کتراست
تاکه چولش می زنی به می شود   او ز زخم چوب فربه می شود
نفس مومن اسفری آمد یقین   کو بزخم چوب زفت است و سمین
زین سبب بر انبیاء رنج و شکست   از همه خلق جهان افزونتراست

ہمیں یہ روایت بھی بزرگان دین سے ملتی ہے جس میں فرمایا گیا۔

لو استجیب للعبد فی کل ماسئل لخرج من حد العبودیه و انما امر بالدعاء لیکون عبدا" والله یفعل مایشاء

"اگر اللہ کے ہر بندے کو وہ کچھ دے دیا جائے جو وہ مانگتا ہے تو وہ معبود کی بندگی کی حد سے باہر ہوجائے گا۔ اس کو دعا کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ بندگی کی حدود سے باہر نہ ہو۔ وگرنہ خدا جو چاہتا ہے' اسے بجالاتا ہے"۔ اس باب میں جن موضوعات پر گفتگو کی گئی ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ گناہ سب سے پہلے زندگی کی بہترین نعمتوں یعنی دعا کی توفیق اور خدا سے تعلق کو انسان سے چھین لیتا ہے۔

۲۔ خدا سے رجوع اور اس سے دعا انسان کو سخت ترین مصائب میں استقامت بخشتی ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام اور مومن مرد اور عورتیں ہمیشہ مصائب و

مشکلات کے موقع پر دعا اور رب سے تعلق برقرار کرکے خود کو سکون بخشتے تھے۔

۴۔ گناہ دوسرے مرحلے پر دعا کو قبولیت سے روکتا ہے۔

۵۔ گنہگار پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے۔ اس کے بعد دعا کرے تاکہ اس کی دعا قبول ہو۔

۶۔ والدین کا عاق کرنا' بددلی' بدنیتی' نفاق' دعا کی طرف سے بدگمانی' نماز کو تاخیر سے ادا کرنا' بدزبانی اور فحش کلامی ایسے گناہ ہیں جو دعاؤں کی قبولیت میں سب سے زیادہ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

۷۔ گناہ سے پاک ہونا ہی دعا کی قبولیت کی تنہا شرط نہیں بلکہ اس کے لیے اور بھی شرائط مقرر ہیں۔

۸۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام شرائط کو پورا کرنے کے بعد بھی' دعا قبول نہیں ہوتی لیکن دعا کی طرف سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔

۹۔ دعا کا اثر پذیر ہونا لازمی ہے۔

باب چہارم

کیفر اعمال

دنیا کی منجملہ ایک مسلمہ حقیقت جس پر سے قرآن مجید اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے پردہ اٹھایا وہ یہ ہے کہ افراد کے اعمال اور رونما ہونے والے حوادث و اتفاقات کے درمیان ایک تعلق موجود ہے۔ ادیان الٰہی' فلسفہ اور دوسرے مکاتیب فکری نے بھی اس حقیقت کی تائید کی ہے کہ ہمارے اعمال ہی بیرونی حادثوں کا سبب بنتے ہیں یعنی اچھے اور برے اتفاقات کا ظہور پذیر ہونا' ہمارے نیک یا بداعمال پر منحصر ہے۔ فلاسفہ نے قانون خلقت کائنات' قانون علت و معلول اور ان دونوں کی ضرورت و سنخیت جیسے قوانین کا سہارا لیتے ہوئے اس موضوع کو دلائل سے ثابت کیا ہے جس کے بعد مزید کسی وضاحت اور تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کائنات کا ایک اپنا مستقل نظام ہے اور کائنات میں رونما ہونے والے تمام واقعات اور حوادث کا ایک دوسرے سے تعلق موجود ہے۔ مثال کے طور پر آگ اگر خشک لکڑی تک پہنچ جائے تو اپنی خاصیت کے بموجب لکڑی کو جلا دیتی ہے جبکہ ہمارے بعض اعمال اور گناہوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمر کو گھٹا دیتے ہیں خواہ ہم انہیں محسوس کریں یا نہیں۔ جس طرح پانی کی وجہ سے پودا سرسبز اور ہرا بھرا

ہوجاتا ہے' اسی طرح ہمارے نیک اعمال بھی جسم کو شاداب اور عمر کو طویل کرتے ہیں۔ {ہم پانچویں باب میں اس موضوع پر انشاء اللہ مزید تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔}

قرآن مجید اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے ملنے والی روایات نے افراد کے اعمال' ان کی خوش نصیبی و بدنصیبی اور بیرونی حوادث کے درمیان موجود تعلق کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔ ہمارے فلاسفہ اور دانشور برسہا برس کی تحقیق اور عرق ریزی کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں' ان نتائج کو بہت پہلے قرآن مجید اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے مختصر ترین الفاظ میں قانون کلی اور سنت الٰہی کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے۔ فلاسفہ نے جن نتائج کو پرپیچ و خم راستوں سے گزر کر برسوں کی کاوشوں کے بعد حاصل کیا' دین و مذہب نے انہیں ایک مسلمہ اصل کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بشری علوم اور انبیاء علیہم السلام اور دینی پیشواؤں کے ذریعے ہم تک پہنچے علوم کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ بشری علوم دانشوروں کی طویل جدوجہد علمی' تجربات اور عرق سوزی کا نتیجہ ہیں جبکہ انبیاء علیہم السلام نے انہی نتائج کو کاوش اور تجربہ کے بغیر وحی ربانی کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے۔

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت   بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ اس موضوع پر

تفصیلی گفتگو کی جائے لیکن چونکہ اس کتاب کی سادگی اور اختصار ہمارے پیش نظر ہے اس لیے ایسا کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا۔ آیات قرآنی اور روایات کی رو سے سنت الٰہی یہ ہے کہ جو قوم گناہ اور معصیت کاری میں مصروف ہوجائے اور توبہ نہ کرے تو خدا اس سے اپنی نعمتوں کو چھین کر اس قوم کو نیست و نابود کردیتا ہے۔

اب درج ذیل آیات پر توجہ فرمائیں

قرآن ایک مقام پر ان منافقوں کے متعلق جو سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آتے' پیغمبر کو خطاب کرکے فرماتا ہے "اگر یہ لوگ اپنے کاموں سے باز نہیں آتے تو ہم آپ کو ان پر مامور کردیں گے تاکہ انہیں ملامت اور قتل کا سامنا کرنا پڑے۔" پھر فرماتا ہے "یہ انجام اس سنتِ الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے جو گزشتہ امتوں کی نسبت عمل میں آچکا۔" یعنی قرآن نے اسے ایک قانون کلی اور سنت کا درجہ دیا ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ولن تجد لسنته الله تبديلا ۔(سورۂ احزاب۔ آیت ۶۲) "سنت الٰہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی"۔

یا پھر کفار قریش کے متعلق فرماتا ہے "یہ لوگ قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس پیغمبر آئے تو وہ اس کی اطاعت کریں گے لیکن جب پیغمبر ان کے پاس آئے تو ان کے تکبر' خودسری اور حیلے بہانوں میں اضافہ ہوگیا۔ اس پر قرآن مجید اسی قانون کلی کو مزید تاکید کے ساتھ اس طرح

بیان فرماتا ہے۔

ولا یحیق المکر السی الا باھلہ فھل ینظرون الا سنتہ الاولین فلن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا" ولن تجد لسنتہ اللہ تحویلا -(سورۂ فاطر- آیت ۴۳)

"اور بری تدبیر کی برائی تو بری تدبیر کرنے والے ہی پر پڑتی ہے۔ تو یہ لوگ بس اگلے لوگوں ہی کے برتاؤ کے منتظر ہیں۔ تو تم خدا کے دستور میں کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے اور خدا کی عادت میں ہرگز کوئی تغیر نہ پاؤ گے"۔

دوسرے مقام پر اسی قانون کو مختصر انداز میں یوں بیان کرتا ہے۔

ذلک بان اللہ لم یک مغیرا" نعمتہ" انعمھا علی قوم حتی بغیرو ما بانفسھم-(سورۂ انفال- آیت ۵۴)

"اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کسی قوم کو جو نعمت دیتا ہے اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ قوم خود اپنی حالت میں تبدیلی نہ کرے"۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیرو ما بہ انفسھم-(سورۂ رعد- آیت ۱۱)"بہ تحقیق کہ خدا اس نعمت میں جو کسی قوم کے پاس ہے تبدیلی نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں تبدیلی نہ کرلیں"۔

قرآن' زندگی کی مشکلات اور مصائب کے بارے میں فرماتا ہے۔

ومن اعرض عن ذکری فان اللہ معیشتہ" ضنکا" -(سورۂ

طہ- آیت ۱۲۴)"جو شخص میرے ذکر سے منہ موڑے اس کے لیے ایک دشوار زندگی درپیش ہے"۔ مصائب اور بلاؤں کے متعلق فرماتا ہے۔

وما اصابکم من مصیبتہ فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر -(سورۂ شوریٰ- آیت ۳۰)"اور جو مصیبت تم پر پڑتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ اور (اس پر بھی) وہ بہت کچھ معاف کردیتا ہے"۔

قرآن مجید ایک عظیم درس آموز کتاب ہے جو زندگی کی حقیقتوں کو نہایت سادہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ قرآن اس آیہ کریمہ میں بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو یاد دلا رہا ہے کہ مصیبت میں گرفتار افراد پر لازم ہے کہ بلاوجہ زمانے سے شکایت نہ کریں اور دوسروں کو اپنی پریشانیوں کا ذمے دار قرار نہ دیں بلکہ اپنے مصائب کے سبب کو اپنی زندگی کے طرز عمل اور سلوک میں تلاش کریں۔ نیز اس مسئلے کے حل کو اپنی ذات میں تلاش کریں۔ لارڈ آویبوری کہتا ہے۔

"مصائب کی ایک قسم وہ ہے جو ہمارے گزشتہ اعمال کے سبب نازل ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے ان مصائب کی شکایت کریں۔ کیونکہ جو شخص زمین میں بیج ڈالتا ہے وہی اس کی فصل بھی کاٹتا ہے۔ اب اگر بیج ہی برے ہوں تو اس میں قصور کس کا ہے؟ کیا اس کے لیے ہم زمانے کو مورد الزام ٹھہرائیں یا پھر گردش افلاک کی شکایت

کریں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ غربت اور بیماری زندگی کے سخت ترین مصائب ہیں لیکن ہمارے اکثر مصائب تکبر، غرور اور ان جیسی دوسری خصوصیات کا نتیجہ ہیں۔" (در جستجوی خوش بختی۔ ص۸۷)

بہرصورت یہ تھیں وہ آیات جو انسان پر وارد ہونے والے مصائب اور مشکلات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

قوموں کی خوشی اور خوشحالی

قرآن مجید میں ایمان اور تقویٰ کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔

ولو ان اهل القرى امنوا و اتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء و الارض ولكن كذبوا فاخذناهم بما كانو يكسبون - (سورہ اعراف۔ آیت۹۶)

"اگر شہر والے ہم پر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان کی برکتوں کو ان پر کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ پس ہم نے بھی ان اعمال پر، جو وہ کرتے تھے، ان سے پرسش کی"۔

{اس مقام پر ایک نکتہ کی اجمالی وضاحت ضروری ہے۔ ممکن ہے ہم بعد کے ابواب میں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ ہمارے گناہ اور برے اعمال، مصائب اور مشکلات کو دعوت دیتے ہیں اور ہمارے اچھے اور برے اعمال علت و معلول کی بنا پر مشکلات و شدائد کے رونما ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ مضمون آیات و روایات میں وارد ہونے

والے اس موضوع سے مختلف و متصادم نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ توبہ گناہ کو محو کردیتی ہے یا دعا و صدقات مصائب کو ٹال دیتے ہیں کیونکہ وہ بھی اسی قانون اور سنت الٰہی کے شامل حال ہیں۔ اور سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کرے اور دعا و صدقات کا سہارا لے۔ کیونکہ دعا، توبہ، صدقہ اور ان جیسے دوسرے اعمال کا مقصد خدا کی طرف رجوع اور التفات ہے اور یہی التفات، قانون و علت کی رو سے، مصائب کے ٹلنے اور گناہ کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ انشاء اللہ آنے والے ابواب میں اس کی مزید تفصیل پیش کی جائے گی۔}

قرآن مجید تقویٰ سے متعلق ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

ومن يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب - (سورۂ طلاق۔ آیت۲) "جو شخص تقویٰ اختیار کرے خدا اس کے لیے کشادگی قرار دے گا اور اس جگہ سے اسے روزی بہم پہنچائے گا جو اس کے گمان میں بھی نہیں"۔ قرآن شکر نعمت سے متعلق فرماتا ہے۔

لئن شكرتم لا زيدنكم و لئن كفرتم ان عذابی لشديد - (سورۂ ابراہیم۔ آیت۷)

"اگر تم شکر کرو گے تو خدا (تمہاری نعمتوں میں) زیادتی کرے گا اور اگر کفران کرو گے تو (جان لو) کہ میرا عذاب شدید ہے"۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اذا وصلت الیکم اطراف النعم فلا تنفروا اقصاھا بقلته الشکر -(نہج البلاغہ فیض- ص ۱۰۸۳)"جب نعمت کے نمونے تم تک پہنچیں تو انہیں شکر کی قلت سے دور نہ کرو"-امام جعفرصادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا-

ما انعم اللہ علی عبد نعمته" فسلبھا اباہ حتی یذنب ذنبا" یستحق بذالک السلب -"خدا نے اپنے کسی بندے کو وہ نعمت نہیں دی جسے واپس لے- مگر یہ کہ وہ گناہ کرے اور اس کی وجہ سے وہ نعمت سلب ہوجائے"-دوسری حدیث میں فرمایا گیا-

خداوند عالم نے اپنے ایک پیغمبر کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وحی کی کہ ان سے کہو جس قریہ کے لوگ میری اطاعت کریں گے وہ غنی اور خوشحال ہوجائیں گے- اگر انہوں نے میری خواہش کے برعکس ایسے کام کیے جو مجھے ناپسند ہیں تو میں بھی انہیں ایسی مشکلات میں مبتلا کروں گا جو انہیں ناپسند ہوں-(اصول کافی- ج۳-ص۳۷۵)نیز یہ بھی فرمایا گیا-

ان اللہ قضی قضاء ا" حتما" الا ینعم علی العبد بنعمته فیسلبھا اباہ حتی یحدث العبد ذنبا" یستحق بذلک النقمته-(اصول کافی- ج۳- ص۳۷۶)

"خداوند تعالیٰ نے قطعی اور حتمی طور پر حکم دیا کہ وہ اپنے بندے کو کوئی ایسی نعمت نہیں دیتا جسے وہ اس سے واپس لے مگر وہ بندہ جو گناہ

کرے اور اس کی سزا کا مستحق قرار پائے"-

اس مضمون میں متعدد آیات اور روایات موجود ہیں اور وہ سب اس امر کو مسلمہ طور پر ثابت کرتی ہیں کہ خوشی اور غمی' امن و بدامنی' خوشحالی و تنگ دستی' مصائب اور آرام و سکون' ان سب کا انحصار ہمارے نیک یا بداعمال پر ہے- ہمارے موجودہ حالت کا تعلق ہمارے گزشتہ اعمال سے ہے- اسی طرح ہمارے موجود اعمال بھی ہمارے مستقبل کو متاثر کرتے ہیں- خلاصہ یہ کہ ہمارا ماضی' حال اور مستقبل براہ راست ایک دوسرے سے وابستہ ہے- یہ پروردگار عالم کا وہ قانون ہے جس میں تبدیلی ممکن نہیں- جس طرح قانون فطرت میں آگ کا کام جلانا ہے' اسی طرح یہ قانون ہمارے اعمال پر بھی منطبق ہوتا ہے-

اب ہم موضوع میں تنوع پیدا کرنے کے لیے چند واقعات کو پیش کرتے ہیں تاکہ یہ امر بخوبی روشن ہوجائے کہ جو افراد نعمت خدا میں ڈوبے ہوئے تھے' وہ ایک گناہ کی خاطر کس طرح اپنی جان و مال سے ہاتھ دھو بیٹھے- اس کے برعکس ان افراد نے جن کی ظاہری زندگی فقرو پریشانی میں گزر رہی تھی' اپنے تقویٰ اور اطاعت الٰہی کی بنا پر نہ صرف مادی اور معنوی کمالات کو حاصل کیا بلکہ ہرچیز کے مالک بن گئے- حالانکہ یہی ایمان و تقویٰ ان کے لیے سب سے بڑا سرمایہ تھا-

دو قابل غور واقعات

۱- صاحب "اعلام الناس" تحریر کرتے ہیں معتصم کے ایک وزیر نے اپنے لیے بہت بلند قصر تعمیر کروایا تھا جو اطراف کے تمام مکانات سے زیادہ بلند تھا- وہ اس قصر میں بیٹھ کر مسلسل دور و نزدیک کے مکانات میں خواتین اور لڑکیوں کو دیکھا کرتا- ایک دن اتفاقاً اس کی نگاہ پڑوس کی ایک لڑکی پر پڑی جو نہایت خوبصورت اور خوش اندام تھی- وزیر اسے دیکھتے ہی اس کے عشق میں گرفتار ہوگیا اور لڑکی کا نام و نشان معلوم کرنے کی جستجو میں لگ گیا- یہاں تک کہ اس نے لڑکی کے باپ کو، جو ایک تاجر تھا، ڈھونڈ نکالا- اس نے لڑکی کے باپ کو شادی کا پیغام بھیجا- جسے تاجر نے اس معذرت کے ساتھ رد کردیا کہ ہماری حیثیت ایسی نہیں کہ وزیروں کے ساتھ رشتہ کریں- ہم پر لازم ہے کہ ایسے تاجر کے ساتھ رشتہ برقرار رکھیں جو ہماری حیثیت اور مقام کے برابر ہو- لڑکی کے عشق کا جنون اس حد تک وزیر پر سوار تھا کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوگیا- اس نے اپنے ایک رشتہ دار کو ہمراز بنایا اور اس سے کوئی تدبیر چاہی- اس شخص نے جواب دیا کہ اگر ایک ہزار دینار خرچ کرو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہو- وزیر نے کہا کاش میں ایسا کرنے کے بعد اپنے مقصد کو حاصل کرسکوں- اگر مجھے اس کام کے لیے دو لاکھ دینار بھی خرچ کرنا پڑیں تو دریغ نہ کروں گا- وزیر نے مطلوبہ دینار فراہم

کردیئے- وہ شخص اس رقم کو لے کر ایسے دس افراد کے پاس گیا جن کی گواہی قاضی کے نزدیک معتبر تھی- اس نے ان افراد سے وزیر کے عشق کی داستان اس انداز سے بیان کی کہ گویا اگر یہ کام نہ ہو تو وزیر کی جان کو خطرہ ہے- اس شخص نے ان دس افراد میں سے ہر ایک کو ایک، ایک سو دینار دیئے اور درخواست کی کہ وہ قاضی کے سامنے گواہی دیں کہ یہ لڑکی اس وزیر کی بیوی ہے-

گواہوں نے قاضی کے سامنے گواہی دی کہ وزیر لڑکی کے ساتھ عقد کرچکا ہے- انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہماری گواہی کا مقصد یہ ہے کہ وزیر کو حتمی موت سے بچالیں- لڑکی کو سربلند کریں اور اس کے باپ کو معاشرے میں بلند مقام دیں- جب تاجر کو مہر کی رقم معلوم ہوگی تو وہ یقیناً راضی ہوجائے گا- ضروری کارروائی کے بعد وزیر نے ایک شخص کو لڑکی کے باپ کے پاس روانہ کیا اور اس سے کہلوایا کہ میری بیوی کو کس وجہ سے اپنے گھر میں روک رکھا ہے- فوراً کسی تاخیر کے بغیر اسے میرے گھر بھیجو- جب تاجر کو صورتحال کا علم ہوا تو وہ وزیر کے ساتھ قاضی کے سامنے پیش ہوا- قاضی نے حکم دیا لڑکی کا مہر اس کے باپ کو ادا کرکے اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ-

تاجر بے چارہ اتنا پریشان ہوا کہ دیوانوں کی مانند ہوگیا- اس نے خود کو معتصم تک پہنچانے کے لیے بڑی کوشش کی- وہ اپنے ایک دوست کے

مشورے سے درباریوں کا مخصوص لباس پہن کر قصر میں داخل ہوا اور معتصم کے پاس پہنچ کر تمام واقعات بیان کر دیئے۔

معتصم نے حکم دیا کہ وزیر کو اس کے گواہوں کے ساتھ حاضر کیا جائے۔ جب وزیر کو یہ خبر ملی تو اس نے یہ خیال کیا کہ اگر تمام حقیقی صورتحال سے معتصم کو مطلع کردے تو اسے معافی مل جائے گی۔ کیونکہ اس نے لڑکی کے لیے مہر کی ایک بہت بڑی رقم مقرر کی تھی۔ گواہ بھی وزیر کے اس خیال سے متفق تھے۔ جب ان کی دھوکہ دہی کی سازش بے نقاب ہوگئی اور سب نے اس کا اعتراف کیا تو معتصم نے حکم دیا کہ تمام گواہوں کو دارالامارہ کے نزدیک تختہ دار پر چڑھائیں اور وزیر کو تازہ ذبح کی ہوئی گائے کی کھال میں لپیٹ کر لوہے کی سلاخوں سے اتنا مارا جائے کہ اس کے گوشت اور ہڈی میں فرق باقی نہ رہے۔ تاجر کو حکم دیا گیا کہ لڑکی کے لیے مقرر کی جانے والی مہر کی کل رقم کو تحویل میں لے کر لڑکی کو اپنے گھر لے جائے اور کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔(اعلام الناس۔ ص۱۱۱)

۲۔ برصیصا، بنی اسرائیل کا ایک عابد و زاہد شخص تھا جو برسہا برس سے خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ عبادت کے ذریعے اس نے وہ مقام حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ لیکن عمر کے آخری حصے میں اسے رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور آخرکار پھانسی کی سزا

دے دی گئی۔ وہ اپنے اس گناہ کی وجہ سے دنیا سے کافر اٹھا جبکہ آخرت میں بھی اسے عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مرحوم طبرسی، صاحب تفسیر روح البیان، و ابوالفتوح اور دوسرے مفسرین آیہ شریفہ **مثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک** -(سورۂ حشر۔ آیت۱۶) کے ذیل میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت میں برصیصا کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس واقعہ کو اختلاف کے ساتھ اور بعض نے مجمل اور بعض نے مفصل طور پر نقل کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

شیطان اس کی کثرت عبادت سے پریشان ہوگیا۔ اس نے عابد کو گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے "اعور" شیطان کو جو زنا کرنے والوں پر موکل ہے اس کام پر مامور کیا۔ اتفاق سے اس ملک کے بادشاہ کی بیٹی کو فالج ہوگیا۔ برصیصا سے درخواست کی گئی کہ سلطان کے گھر جاکر اس کی بیٹی کی شفا کے لیے دعا کرے۔ برصیصا نے انکار کردیا۔ آخرکار اس لڑکی کے بھائی، اپنی بہن کو لکڑی کے تختے پر رکھ کر برصیصا کی عبادت گاہ میں لے آئے۔

برصیصا نے جواب دیا - مریضہ کو اسی مقام پر چھوڑ دو۔ میں سحر کے وقت اس کی صحت یابی کے لیے دعا کروں گا۔ لڑکی کے بھائیوں نے یہ تجویز منظور کرلی اور اپنی بہن کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ سحر کے وقت برصیصا

نے لڑکی کے حق میں دعا کی، جو قبول ہوگئی اور لڑکی شفا پاگئی۔

ایسے میں اعور شیطان نے موقع کو غنیمت جانا۔ عابد کے پاس گیا اور اسے وسوسے میں ڈالا۔ عابد نگاہوں ہی نگاہوں میں لڑکی پر فریفتہ ہوگیا اور آخرکار اس سے زنا کیا۔ فارغ ہونے کے بعد وہ اس خیال سے نادم ہوا کہ اگر اس لڑکی نے اپنے بھائیوں کو صورتحال سے باخبر کردیا تو اس کا کیا ہوگا؟ شیطان نے عابد کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ وہ لڑکی کا گلا گھونٹ کر اسے وہیں دفن کردے تاکہ اس کے جرم پر پردہ پڑ جائے۔ برصیصا نے ایسا ہی کیا اور کچھ ہی دیر بعد لڑکی کے مردہ جسم کو اپنی عبادت گاہ کے نزدیک ہی دفنا دیا۔ جب لڑکی کے بھائی آئے اور انہوں نے اپنی بہن کے متعلق سوال کیا تو عابد نے انہیں بتایا کہ اس کی دعا سے لڑکی شفایاب ہوکر عبادت گاہ سے باہر نکل گئی۔

شہزادوں نے اپنی بہن کی تلاش شروع کردی۔ شیطان نے انہیں اطلاع دی کہ برصیصا نے لڑکی کو قتل کردیا ہے۔ انہوں نے جستجو کے بعد قبر کھود کر لڑکی کی لاش باہر نکالی۔بادشاہ نے حکم دیا کہ برصیصا کے گلے میں رسی ڈال کر شہر لایا جائے۔ درنتیجہ شہر کے لوگوں کو بھی اس واقعے کی اطلاع ہوگئی۔ لوگوں کا ایک اژدھام جمع ہوگیا۔ عابد کو بہت بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار اسے تختہ دار پر لایا گیا۔ جب اس کے گلے میں رسی ڈالی گئی تو شیطان دوبارہ اس کے سامنے ظاہر ہوا اور کہنے لگا۔ میں

نے ہی یہ تمام مصائب تمہارے لیے کھڑے کیے ہیں۔ اب اگر تو مجھے سجدہ کرے اور اشارے سے میرے سر کو اپنا معبود تسلیم کرے تو میں تجھے اس مصیبت سے نجات دلا دوں گا۔ جب عابد نے سر کے اشارے سے ایسا ہی کیا تو شیطان ہنس دیا اور اس کے پاس سے دور چلا گیا۔{سعدی علیہ الرحمتہ نے برصیصا کے قصہ کو گلستان کے دیباچہ کے مجلس پنجم میں نقل کیا ہے۔}

زنبیل والے عابد کا قصہ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت حسین و جمیل عابد تھا جو خود زنبیل بنتا اور پھر اسے فروخت کرکے اپنی گزربسر کرتا تھا۔

ایک روز وہ بادشاہ کے قصر کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ بادشاہ کی بیوی کی ایک کنیز نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً قصر میں واپس گئی اور اس کے حسن و جمال کی اپنی مالکن سے تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی۔ قصر کے دروازے پر ایک شخص کھڑا زنبیل فروخت کر رہا ہے۔ میں نے اس سے زیادہ حسین انسان آج تک نہیں دیکھا۔

مالکن نے حکم دیا کہ اسے فوراً میرے پاس لایا جائے۔کنیز باہر گئی اور عابد کو ساتھ لے کر قصر میں واپس آئی۔ جیسے ہی بادشاہ کی بیوی کی نگاہ اس پر پڑی، وہ اس پر فریفتہ ہوگئی اور کہا ان زنبیلوں کو ایک طرف ڈال کر

میرے پاس آ تاکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت پوری کریں۔ اس نے کنیز کو حکم دیا کہ دو افراد کے لیے بستر لگا دیا جائے۔ عابد نے اس کام سے انکار کردیا۔وہ عورت کہنے لگی میں جب تک تجھ سے اپنی ضرورت پوری نہ کرلوں تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہ دوں گی۔ اس نے کنیز کو حکم دیا کہ قصر کے دروازے بند کردیئے جائیں۔ عابد ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھا۔ اس نے جب خود کو محاصرے میں دیکھا تو کچھ سوچ کر کہا۔ کیا قصر کی چھت پر طہارت اور نہانے کا کوئی انتظام ہے؟بادشاہ کی بیوی نے کہا۔ ہاں!کیوں نہیں۔ اور فوراً ہی کنیز کو مخاطب کرکے کہنے لگی کہ نہانے کے لیے چھت پر پانی کا بندوبست کرے۔ کنیز پانی کا برتن قصر کی چھت پر لے گئی۔ عابد بھی اس کے پیچھے پیچھے پشت بام پر گیا۔ دیکھا قصر بہت وسیع اور بلند ہے اور وہاں ایسا کوئی ذریعہ موجود نہیں جس پر آویزاں ہوکر نیچے اترا جائے۔

عابد خود سے کہنے لگا۔ اے نفس تو نے برسہا برس تک پروردگار کی رضا کی خاطر دن رات اس کی عبادت کی ہے۔ اب ایسی مصیبت پیش آئی ہے کہ برسوں کی عبادت کو رائیگاں کردے گی اور وہ اس کی وجہ سے سراسر خسارے میں رہے گا۔ گناہ میں آلودہ ہونے سے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو بام قصر سے نیچے گرا دے۔عابد اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے لب بام سے نزدیک ہوا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، ایسے وقت میں پروردگار عالم نے جبرئیل کو مخاطب کرکے کہا۔ میرا بندہ گناہ سے فرار کی خاطر چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پشت بام سے زمین پر گرا دے۔ جبرئیل تو اسے تھام لے کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔جبرئیل زمین پر آئے اور ایک مہربان باپ کی مانند اسے تھام کر زمین پر اتار دیا۔ زمین پر آتے ہی عابد نے چاہا کہ اپنے گھر کی راہ لے لیکن چونکہ اپنے زنبیلوں کو قصر شاہی میں چھوڑ آیا تھا اس لیے غروب آفتاب تک اس نے صبر کیا اور مغرب ہوتے ہی گھر میں اپنے اہل و عیال سے ملحق ہوگیا۔

بیوی نے اس سے پوچھا۔ زنبیلوں کے پیسوں کا کیا کیا؟

عابد نے جواب دیا۔ آج میں زنبیلوں سے کوئی آمدنی حاصل نہ کرسکا۔

بیوی نے سوال کیا۔ پھر آج کس چیز سے افطار کریں گے؟

عابد نے کہا۔ آج اپنی بھوک پر صبر کریں گے۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ اٹھ اور چل کر تنور روشن کردے۔ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہمارے پڑوسی تنور کو بجھا ہوا دیکھ کر ہمارے لیے فکرمند ہوجائیں۔عورت نے عابد کے حکم کی اطاعت میں تنور کو روشن کیا اور واپس آکر کمرے میں بیٹھ گئی۔ ایسے میں ہمسایہ کی عورت ان کے گھر میں آئی اور کہا۔کیا آپ کے پاس آگ ہے؟

عورت نے جواب دیا۔ ہاں!کیوں نہیں۔ جاؤ اور تنور میں سے اٹھا

لو۔ہمسایہ کی عورت تنور پر آئی اور واپس جاکر اس عورت سے کہا۔ تم یہاں اپنے شوہر کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو اور وہاں روٹیاں تنور میں جل رہی ہیں۔عورت اپنی جگہ سے اٹھی' دیکھا کہ تنور کے اطراف سفید روٹیوں کے ڈھیر موجود ہیں۔ اس نے روٹیوں کو تنور میں سے نکال کر ایک برتن میں جمع کیا اور اپنے شوہر کے پاس لاکر کہنے لگی۔اے شخص خدا کے نزدیک تیری بڑی منزلت ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ ہمارے رزق میں کشادگی عطا کرے تاکہ ہم اپنی بقیہ عمر کو آرام کے ساتھ بسر کرسکیں۔

عابد نے جواب دیا۔ اپنی موجودہ حالت پر صبر کرلو تو زیادہ بہتر ہے۔(لئالی الاخبار۔ ج۱۔ ص۱۱۶)

بہترین مثال

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تاریخ کے عبرت انگیز واقعات میں سے ہے۔ چنانچہ خداوند عالم خود فرماتا ہے۔

لقد کان فی قصصھم لاولی الالباب۔(سورۂ یوسف۔ آیت۱۱۱)

”حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ صاحبان عقل کے لیے نصیحت ہے“۔

یوسف ایک ایسا بچہ ہے جس سے اس کے باپ کو بے پناہ محبت ہے۔ اس نے اپنا بچپن باپ کی محبت آمیز اور پرشفقت گود میں گزارا۔ زندگی پرآرام و پرآسایش تھی جہاں نعمت کی کمی نہ تھی۔ لیکن باپ کی بھرپور

محبت ہی بھائیوں کے حسد کا سبب بنی۔ یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے یوسف علیہ السلام کو راستہ سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا۔

انہوں نے ایک سازش کے تحت حضرت یوسف کو ساتھ لے کر صحرا کا رخ کیا۔ پھر انہیں کنویں میں پھینک دیا۔ جب چند دن بعد اتفاقی طور پر کنویں سے باہر آئے تو چند معمولی درہموں کے عوض انہیں ایک کاروان کے ہاتھوں فروخت کردیا گیا۔ کاروان جناب یوسف کو اپنے ساتھ مصر لایا اور مصر کے بازار میں انہیں پھر فروخت کردیا گیا۔

اب کی مرتبہ اس گوہر گراں بہا کو خریدنے والا عزیز مصر تھا۔ اس طرح یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر پہنچا دیئے گئے۔

عزیز مصر کی بیوی نہایت حسین و جمیل عورت تھی جو نعمت اولاد سے محروم تھی۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جو عورت بہت زیادہ متمول اور خوشحال گھرانے سے ہو، گھر میں کوئی مصروفیت بھی نہ ہو اور عقیدہ و ایمان سے بھی عاری ہو وہ بہت جلد شیطانی ہوس کا شکار ہوجاتی ہے اور ہمیشہ اس فکر میں رہتی ہے کہ زندگی کو کس طرح مزید پرتعیش بنایا جاسکتا ہے؟

یوسف علیہ السلام سے حسین نوجوان کے اس گھر میں آنے سے اس کے شیطانی خیالات کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور اب وہ اس فکر میں رہتی ہے کہ اپنی خواہشات کو کس طرح پورا کیا جائے۔ ان حالات میں اگر خدا پر عقیدے کی دولت اور روز جزا پر ایمان کا سرمایہ موجود نہ ہو تو

انسان ہوا و ہوس اور اپنی نفسانی خواہشات کا راستہ نہیں چھوڑ سکتا- یہی وجہ تھی کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے ذریعے اپنی خواہش کی تکمیل چاہی- چنانچہ خداوند تعالٰی قرآن مجید میں فرماتا ہے-

وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه وغلقت الابواب وقالت هیت لک -(سورہ یوسف- آیت ۲۳)"عزیز مصر کی بیوی نے تمام دروازوں کو بند کرتے ہوئے کہا- اب میں خود کو تمہارے سپرد کرتی ہوں"-اب آپ غور فرمائیں- پاک دامن یوسف علیہ السلام کس عظیم مشکل میں تھے-ایک طرف بھرپور جوانی اور جنسی شہوت کے تقاضے-

اور دوسری طرف زلیخا کا تابناک حسن و جمال اور اس کا بہترین لباس جس کی وجہ سے وہ افسانوی حسن کا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی-

ماحول کا تخلیہ' اغیار کی آنکھوں سے دور' آئینہ بندی سے مزین خوبصورت قصراور مرصع خوابگاہ' اطراف پڑے ہوئے دبیز پردے- یہ سب جنسی شہوت کو ابھارنے میں مددگار تھے-

زلیخا کا مچلتا ہوا عشق اور یوسف علیہ السلام سے اپنی ضرورت کی تسکین کی آرزو خواہش کی تکمیل میں مہمیز کا کام کر رہی تھی-

اس کے علاوہ مزید دسیوں عوامل ایسے تھے جو عام افراد کی لغزش کے لیے کافی تھے- یہ تمام عوامل یکجا ہو کر جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ناقابل بیان وسائل فراہم کر رہے تھے-

پاکدامن یوسف علیہ السلام اس ماحول میں کیا کچھ نہیں سوچ رہے ہوں گے؟ اس صورتحال میں وہ کونسی قوت ہے جو ترک گناہ پر آمادہ کرکے نفسانی خواہشات کو مہار کرسکتی ہے؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے نہ صرف خود کو گناہ سے آلودہ نہ ہونے دیا اور عزیز مصر کی بیوی سے خیانت نہ کی بلکہ اس شیطانی ماحول سے راہ فرار اختیار کی- ان کا فرار ہونا ہی ان کے مصائب و مشکلات کا سبب بن گیا- جس کے نتیجے میں زلیخا کے دل میں ان سے انتقام لینے کی خواہش پیدا ہوئی- حضرت یوسف علیہ السلام نے ان تمام مشکلات کے باوجود اپنے دامن کو گناہ سے آلودہ نہ ہونے دیا- سوال یہ ہے کہ وہ کونسی طاقت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی سے بچنے میں مدد دی-

اس امر کی وضاحت کے لیے ہم خود حضرت یوسف علیہ السلام کے فرمودات سے استفادہ کریں گے جنہیں آپ نے اس واقعے کے برسوں بعد اشارتاً" بیان کیا اور جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک اور پرنور قلب کی ترجمانی ہوتی ہے-

اس واقعے کے بعد ایک طویل عرصہ گزر گیا- حضرت یوسف علیہ السلام تخت حکومت مصر پر متمکن ہوئے- آپ کی پاکدامنی اور مملکت کے انتظام و انصرام میں بے مثال مہارت کی شہرت مصر اور اطراف کے

شہروں میں پھیل گئی اور عوام آپ کی قابلیت کے گرویدہ ہوگئے۔

ان کے بھائیوں نے ضرورت کے تحت دو مرتبہ مصر کا سفر اختیار کیا اور آپ کی شفقت و محبت کا عملی مظاہرہ دیکھا۔ اسی محبت و شفقت کے نتیجے میں انہوں نے تیسری مرتبہ بھی مصر کی طرف سفر کیا اور آپ کی شرافت و فضیلت کے قائل ہوگئے۔ ایسے میں آپ نے اس غیر معمولی قوت کی طرف اشارہ کیا جس نے انہیں عزیز مصر کے گھر میں زلیخا کے شیطانی دام میں گرفتاری سے بچنے میں سہارا بخشا تھا۔ وہ مختصر جملے میں فرماتے ہیں۔.....**انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین** ۔(سورۂ یوسف۔ آیت۹۰)"بے شک جو تقویٰ اختیار کرے اور پھر صبر کرے، پس بہ تحقیق خدا احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا"۔

اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس گھڑی شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے دام ڈالا تھا شاید اس وقت اللہ کا یہی قانون ان کے پیش نگاہ تھا۔ ہدایت کی یہی خوبصورت تختی ان کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہوگئی تھی۔ ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ اگر میں زلیخا سے نزدیک ہو کر گناہگار ہوجاؤں تو گرچہ جنسی خواہش کی تکمیل کے ذریعے چند ساعتیں لذت میں بسر ہوجائیں گی لیکن اس عمل کے منفی اثرات کتنے عمیق ہوں گے اور چند ساعتوں کی ہوس رانی کے کتنے سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔

روح کی آلودگی، معاشرتی مصائب اور دنیوی و اخروی سزا اس کے علاوہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گوہر ایمان کو ہاتھ سے دینا پڑے گا۔

لیکن اگر خدا کی خوشنودی کی خاطر اس وقتی لذت سے قطع نظر کرلوں، پرہیزگاری کا راستہ اپناؤں، صبر و بردباری کو اپنا مشعل راہ قرار دوں تو دنیا و آخرت کی آئندہ زندگی میں سرخرو اور سربلند رہوں گا۔ نیز پروردگار عالم کی سزا، مکافات عمل اور ضمیر کی ملامت سے محفوظ رہ سکوں گا۔ کیا اس صورت میں جناب یوسف علیہ السلام کے لیے طویل اور باعزت زندگی بہتر تھی یا وہ زندگی جس کی چند ساعتیں ہوا و ہوس کی تکمیل میں گزار کر باقی زندگی سیاہ بختی میں گزر بسر کرتے۔

کیا ان کے حق میں یہ بہتر ہوتا کہ چند ساعتیں زلیخا کے ساتھ بسر کرکے خود کو گناہ سے آلودہ کرتے اور یوں خود کو بدبختی کے گرداب میں گرفتار کردیتے یا پھر یہ کہ کچھ دیر کے لیے ضبط نفس سے کام لے کر دنیا و آخرت کی سرخروئی کو اپنے لیے خرید لیتے۔ آپ ہی بتلائیں، ان میں سے کونسا راستہ بہتر ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لیے دوسرے راستے کو پسند کیا۔ ہر وہ آزاد و باایمان شخص جو ایسے خطرناک ماحول میں خدا کی پناہ طلب کرے، خلاق عالم کی مدد کے سہارے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔

ومن يتوكل على الله فهو حسبه یا پھر جیسا کہ خود حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

انه من يتق و يصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين

لیکن اگر حضرت یوسف علیہ السلام پہلے راستے کا انتخاب کرتے تو نہ صرف یہ کہ روحی اور معنوی طور پر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچتا بلکہ مصر کی حکومت بھی انہیں نصیب نہ ہوتی اور نہ ہی انہیں یہ عزت و مقام حاصل ہوتا۔ {مرحوم طبرسی، مجمع البیان (ج۳- ص۲۴۴) میں امام رضا علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے گوداموں میں سات برس تک خورد و خوراک کا سامان جمع کرتے رہے۔ جب قحط رونما ہوا تو پہلے سال مصر کے لوگ اپنا نقد سرمایہ یعنی درہم و دینار حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لائے اور اس کے عوض غلہ حاصل کیا۔ اسی طرح دوسرے سال جواہرات اور تیسرے سال مال مویشی کے عوض خورد و خوراک کا سامان خریدا۔ چوتھے سال جب لوگوں نے دیکھا کہ قحط کی صورتحال میں بہتری نہیں آئی تو جو کچھ غلام اور کنیزیں ان کے پاس تھیں، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دے کر غلہ خرید لائے۔ قحط کے پانچویں سال اپنے مکانات اور املاک کے بدلے گندم اور جو حاصل کیا۔ چھٹے سال بھی اسی طرح اپنی زمینیں اور باغات، حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کردیں۔ اب ساتویں سال غلہ خریدنے

کے لیے ان کے پاس کچھ نہ بچا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی تمام جاگیروں، ثروت اور املاک کے مالک بن گئے۔ اب ان کے پاس اپنی ذات کے علاوہ کچھ نہ بچا تو وہ بھی انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام کو فروخت کردیا۔ اب وہ سب بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے غلاموں میں شامل ہوگئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان سات سالوں کے بعد سب کو آزاد کردیا اور ان کے مال مویشی بھی ان کو واپس کردیئے۔ زلیخا نے ایسے وقت جب حضرت یوسف اپنی عزت و شوکت کے عروج پر تھے، کیا خوب کہا۔

الحمد لله الذى جعل الملوك بمعصيتهم عبيدا" و جعل العبيد بطاعتهم ملوكا" "اس خدا کا شکر جس نے بادشاہوں کو ان کے گناہوں کی خاطر غلام بنایا اور غلاموں کو ان کی اطاعت کے سبب بادشاہ بنایا"۔}

اس طرح ان کا دامن بھی داغدار ہوجاتا اور آخر کار اس راز کا پردہ بھی فاش ہوجاتا۔ یہ فطری امر تھا کہ جو شخص اپنی جوانی میں خیانت کا مرتکب ہوتا وہ کبھی بھی عزیز مصر کا مقرب نہ بن سکتا۔ ظاہر ہے عزیز مصر اور حکومت کے حکام کو ایک امین اور پاکدامن شخص کی تلاش تھی اور ایسی صورت میں وہ آپ پر اعتماد نہ کرسکتے تھے۔

ایک دن وہ بھی آیا جب حضرت یوسف علیہ السلام زندان سے رہا

ہوگئے۔ تو عزیز مصر نے ان سے کہا ۔انک الیوم الدینا مکین امین
"تم آج کے دن سے ہمارے نزدیک امین اور صاحب منزلت ہو"۔

اب تک جو کچھ بیان کیا جا چکا وہ ایسے ملکوتی صفات کے حامل انسان کے متعلق صرف اظہار خیال تھا تاکہ اس طرح ہمارے کچھ قارئین حضرات جو ممکن ہے کسی وقت معصیت کا ارتکاب کر بیٹھیں، اس قصے سے درس حاصل کریں اور خطرات میں خود کو گناہ سے بچا سکیں۔ وگرنہ جلال الدین رومی فرماتے ہیں۔

کار پا کان را قیاس از خود مکن   گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

اب ہم اس بحث کی طرف واپس لوٹتے ہیں کہ گناہ کیونکر نعمت کے سلب ہونے کا سبب بنتے ہیں اور وہ کونسے گناہ ہیں جو ان عظیم بلاؤں کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔

گزشتہ اقوام

قرآن مجید نے اقوام کی تباہی اور ان کے نعمتوں کے زوال کا سبب ان کے گناہ اور ناشکرا پن کو قرار دیا ہے۔ سورۂ مومن کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا۔

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبتہ الذین من قبلھم کانوا ھم اشد منھم قوۃ واثارا" فی الارض فاخذ ھم اللہ بذنوبھم "کیا وہ زمین میں گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان

سے پہلے گزرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ زمین پر ان کی طاقت اور آثار ان سے کہیں زیادہ تھی۔ پس خدا نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو آلیا"۔

اس طرح فرعون والوں کے متعلق "ذالک بان اللہ لم یک مغیرا" نعمتہ" ....." سے پہلے فرماتا ہے۔

کداب ال فرعون والذین من قبلھم کفروا بایات اللہ فاخذ ھم اللہ بذنوبھم ۔(سورۂ انفال۔ آیت ۵۲)"(اور لوگوں کی حالت) قوم فرعون اور ان کے لوگوں سی ہے۔ جو ان سے پہلے تھے اور خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے۔ تو خدا نے بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں لے ڈالا"۔ قوم سبا کے متعلق فرماتا ہے۔

لقد کان لسبا فی مسکنھم ا یتہ جنتان عن یمین و شمال کلوا من رزق ربکم والشکرواله بلدۃ طیبتہ و رب غفور۔
فاعرضوا فارسلنا علیھم سیل العرم و بدلناھم بجنتیھم جنتین ذواتی اکل خمط وشیء من سدر قلیل' ذلک جزیناھم بما کفروا و ھل نجازی الا الکفور ۔(سورۂ سبا۔ آیت ۱۵-۱۷)

"اور (قوم) سبا کے لیے تو یقیناً خود ان ہی کے گھروں میں ایک بڑی

نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔(۱۵)

(یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار تو انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا۔ پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریا۔(۱۶)

یہ ہم نے انکی ناشکری کی ان کو سزا دی اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں"۔(۱۷)